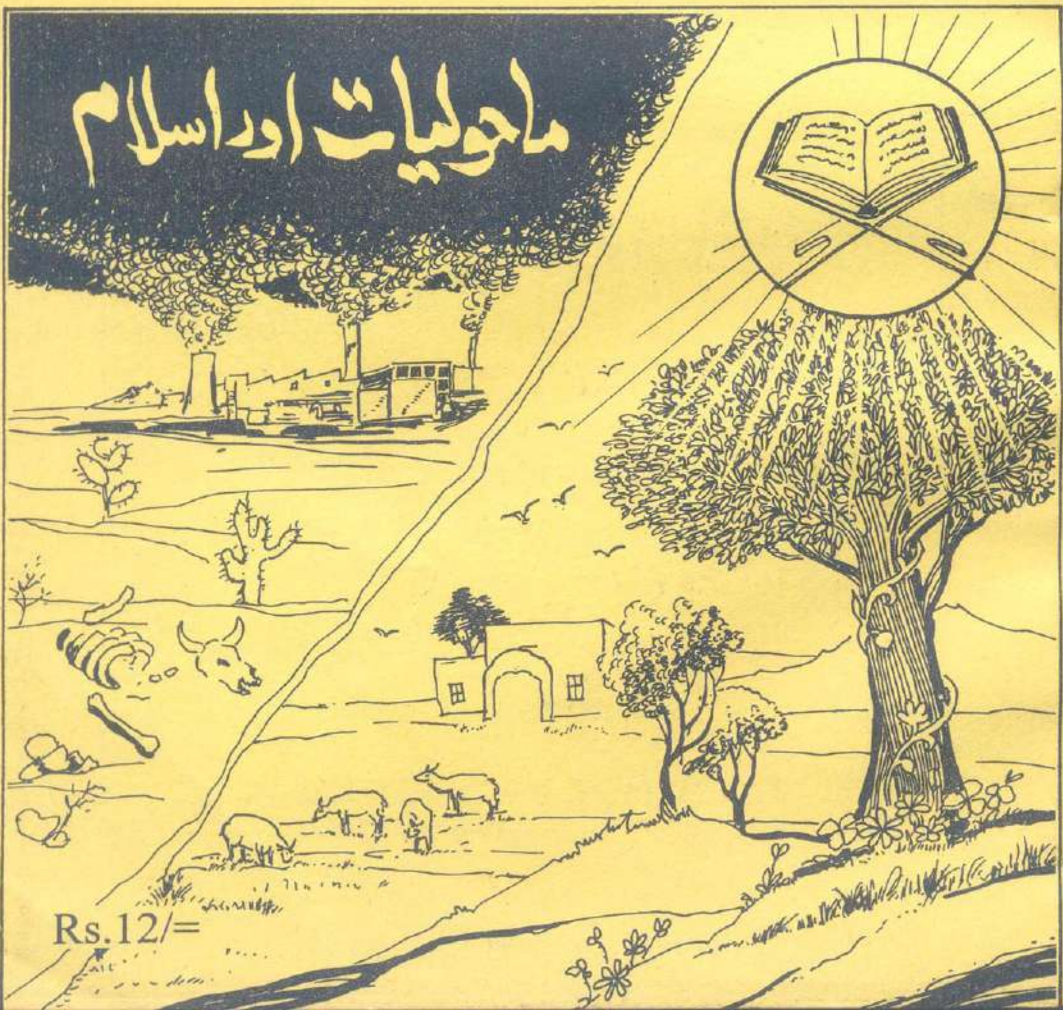
اردو ماہنامہ
سائنس
نئی دہلی
65
جون 1999
ISSN-0971-5711

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة
العلم
مجلة شهرية علمية

ماحولیات اور اسلام



Rs.12/=

فہرست مطبوعات	سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن	65 - 61، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی - 110058

نمبر شمار	نام کتاب		زبان	قیمت
1.	اے ہینڈ بک آف کامن ریمیڈیز ان یونانی سسٹم آف میڈیسن انگریزی19/00، بنگالی19/00، عربی44/00، گجراتی44/00، اڑیہ34/00، کنڑ34/00، تمل8/00، تیلگو9/00، پنجابی16/00، ہندی6/00، اردو13/00			
2.	آئینہ سرگزشت -- ابن سینا	———	اردو	7/00
3.	رسالہ جودیہ -- ابن سینا (معالجات پر ایک مختصر مقالہ)	———	اردو	26/00
4.	عیون الانباء فی طبقات الاطباء -- ابن ابی اصیبعہ (جلد اول)	———	اردو	131/00
5.	عیون الانباء فی طبقات الاطباء -- ابن ابی اصیبعہ (جلد دوم)	———	اردو	143/00
6.	کتاب الکلیات -- ابن رشد	———	اردو	71/00
7.	کتاب الکلیات -- ابن رشد	———	عربی	107/00
8.	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ -- ابن بیطار (جلد اول)	———	اردو	71/00
9.	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ -- ابن بیطار (جلد دوم)	———	اردو	86/00
10.	کتاب العمدہ فی الجراحت -- ابن القف المسیحی (جلد اول)	———	اردو	57/00
11.	کتاب العمدہ فی الجراحت -- ابن القف المسیحی (جلد دوم)	———	اردو	93/00
12.	کتاب المنصوری -- زکریا رازی	———	اردو	169/00
13.	کتاب الابدال -- زکریا رازی (بدل ادویہ کے موضوع پر)	———	اردو	13/00
14.	کتاب التیسیر فی المداوات والتدابیر -- ابن زہر	———	اردو	50/00
15.	کنٹری بیوشن ٹو دی میڈیسنل پلانٹس آف علیگڑھ (یوپی)	———	انگریزی	11/00
16.	کنٹری بیوشن ٹو دی یونانی میڈیسنل پلانٹس فرام نارتھ آرکوٹ ڈسٹرکٹ تمل ناڈو	———	انگریزی	143/00
17.	میڈیسنل پلانٹس آف گوالیار فارسٹ ڈویژن	———	انگریزی	26/00
18.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنس (پارٹ -- I)	———	انگریزی	43/00
19.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنس (پارٹ -- II)	———	انگریزی	50/00
20.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمولیشنس (پارٹ -- III)	———	انگریزی	107/00
21.	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن (پارٹ -- I)	———	انگریزی	86/00
22.	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن (پارٹ -- II)	———	انگریزی	129/00
23.	کلینیکل اسٹڈیز آف وجع المفاصل	———	انگریزی	4/00
24.	کلینیکل اسٹڈیز آف ضیق النفس	———	انگریزی	5/50
25.	حکیم اجمل خاں - اے ورسٹائل جینیس (مجلد -- 71/00)	———	انگریزی	57/00
26.	کنسپٹ آف برتھ کنٹرول ان یونانی میڈیسن	———	انگریزی	131/00
27.	کیمسٹری آف میڈیسنل پلانٹس -- I	———	انگریزی	340/00
28.	امراض قلب	———	اردو	205/00
29.	امراض ریہ	———	اردو	150/00
30.	المعالجات البقراطیہ (پارٹ -- I)	———	اردو	360/00

ڈاک سے کتابیں منگوانے کے لئے اپنے آرڈر کے ساتھ کتابوں کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ، جو ڈائریکٹر سی، سی، آر، یو، ایم، نئی دہلی کے نام بنا ہو، پیشگی روانہ فرمائیں۔

100/00 سے کم کی کتابوں پر محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، 65-61، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی - 110058 فون: 5614970-72, 5611982

سائنس

اردو ماہنامہ

نئی دہلی

65

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ

انجمن فروغ سائنس کے نظریات کا ترجمان

جون 1999ء　جلد نمبر (6)　شمارہ نمبر (6)

ایڈیٹر: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

ترتیب

قیمت فی شمارہ 12 روپے　140 روپے (اداراتی)

5 ریال (سعودی)　280 روپے (بذریعہ رجسٹری)

5 درہم (یو-اے-ای)

2 ڈالر (امریکی)　برائے غیر ممالک:

1 پاؤنڈ　(ہوائی ڈاک سے)

سالانہ:　50 ریال / درہم

(سادہ ڈاک سے)　24 ڈالر (امریکی)

130 روپے (انفرادی)　10 پاؤنڈ

اعانت تاعمر:

1500 روپے

240 ڈالر (امریکی)

100 پاؤنڈ

فیکس/فون:

692-4366

(رات 8 تا 10 بجے صرف)

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو گیا ہے

دنیا کا پہلا اردو ماہنامہ جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔

انٹر نیٹ (ویب سائٹ) پتہ:

www.urdu-science.com

ای میل پتہ: parvaiz@ndf.vsnl.net.in

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" انھوں نے عرض کیا "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزی کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔" فرمایا "میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔" اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا "اگر تمہارا خیال صحیح ہے تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ" انھوں نے عرض کیا "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔" پھر اللہ نے آدم سے کہا "تم انھیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔" جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔" (البقرہ: 33-30)

منقولہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کی حیثیت، اس کا مقام، عمل کی نوعیت، اہمیت و فوقیت نیز عبادت و بندگی کے متعلق وضاحت فرمائی ہے۔ پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب یا خلیفہ مقرر فرمایا ہے جس کی رو سے انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کے نظام کو، جو کہ اللہ تعالیٰ نے حق پر نیز عدل و توازن کے ساتھ قائم فرمایا ہے، عین اس کی منشاء کے مطابق نہ صرف چلنے دے بلکہ اس کا اہتمام بھی کرے کہ یہ عدل و توازن قائم رہے۔ خلیفہ ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ اختیارات بھی عطا کیے ہیں، اس کائنات کی کچھ قوتیں بھی اس کے لیے مسخر کر دی ہیں۔ اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے آگے جھک جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ہی اس کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کا آدم کے آگے جھکنا گویا کہ ان کو اور ان کے ذریعے چلائے جا رہے نظام کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا۔ جہاں تک اللہ کی منشاء اور مشیت ہو وہاں تک انسان اس زمین کے نظام کو کنٹرول کرنے کا مجاز قرار دیا گیا۔ آدم کی طرف کچھ اختیارات منتقل کرنے پر ہی فرشتوں کو یہ تشویش ہوئی کہ کہیں اختیارات کی یہ منتقلی بد انتظامی نہ پیدا کر دے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس اندیشے کا جس طور جواب دیا ہے وہ دوسرا قابل غور نکتہ ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آدم کو اپنے علم کا کچھ حصہ عطا کیا، جس کو بطور علامت کچھ اشیاء کے نام کے طور پر بیان فرمایا۔ یہ علم فرشتوں کے پاس نہیں تھا۔ گویا اس علم کی وجہ سے ہی آدم فرشتوں سے برتر ہوا اور جبھی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں کو لاجواب کر دیا۔ آج دنیا میں جتنے علوم ہیں انکی بنیاد ناموں پر ہی ہے، یعنی انسانی عقل کی ساخت اللہ تعالیٰ نے اس طرح تشکیل فرمائی ہے کہ وہ چیزوں کو نام دیتی ہے اور ناموں کی مدد سے ان کو پہچانتی ہے، ان کے خواص دریافت کرتی ہے اور افادیت معلوم کرتی ہے۔ گویا یہی وہ علم ہے جو آدم کو فرشتوں سے برتر کرتا ہے۔ مزید قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اگر ایک طرف اپنے خلیفہ ہونے کے ناطے انسان کو دنیا میں کچھ اختیارات مرحمت فرمائے تو وہیں علم بھی عطا کر دیا تاکہ وہ سمجھ سکے کہ اختیارات کو کیونکر استعمال کر کے وہ اس زمین پر عافیت سے رہ سکتا ہے۔ گویا اختیارات علم اور بندگی کے درمیان بھی ایک توازن قائم کر دیا۔

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب فرشتوں نے اس خلیفہ کی تخلیق کی بات سنی تو عرض کیا کہ اے اللہ تیری حمد و ثناء اور تسبیح تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ یعنی تیری عبادت میں ہم سے کچھ کمی تو ہو نہیں رہی جو تو یہ ایک نئی مخلوق اور وہ بھی خلیفہ کی حیثیت سے بنا رہا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا کہ "میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔" اس آیت سے یہ پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں انسان کو بھیجنے کا مقصد محض حمد و ثناء ہی نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اسے یہاں اپنا خلیفہ بنا کر اس سے کچھ اور بھی کام لینا

(باقی صفحہ 26 پر)



ڈائجسٹ

اسلام اور ماحول کا تحفظ

مفتی جمیل احمد نذیری
مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ
مبارک پور۔ اعظم گڑھ (یوپی)

انسان کے آس پاس کی چیزیں انسان کاماحول کہلاتی ہیں، یہ آس پاس کی چیزیں گاؤں، گھر، گلی، کوچے، سڑکیں، ندی نالے، کھیت، پہاڑ، جنگلات و باغات، کارخانے اور فیکٹریاں سبھی ہوتے ہیں۔

جس طرح انسان کی اپنی زندگی پاکیزہ اور ہر قسم کی آلودگیوں سے محفوظ ہونی چاہیے، اسی طرح انسان کو اپنے پورے ماحول کوپاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنا چاہئے۔

انسان اوراس کے ماحول کی پاکیزگی دوطرح کی ہوتی ہے۔ روحانی پاکیزگی، مادّی پاکیزگی۔ اسلام کی ساری تعلیمات روحانی پاکیز گی کا مظہر ہیں بلکہ اسلام کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ کائنات کوروحانی پاکیزگی سے معمور کردے۔ اس طرح اسلام کی روحانی پاکیزگی کے اثرات بہت ہی طویل و عریض اور دور رس ہیں اور ان کی تفصیل بیان کرنااور بھی مشکل ہے۔ قرآن وحدیث کے بحر ناپید اکنار نے شناوران حق کے لیے ایک عظیم میدان فراہم کردیا ہے

یہاں بات کو صرف مادّی پاکیزگی تک محدود رکھنا اور بتانا ہے کہ اس میں ماحول کا تحفظ کیسے ہوگا، آلودگی سے حفاظت کیسے ہوگی، اس سلسلے میں اسلام کی تعلیمات وہدایات کیا ہیں، اور اسلام نے ان کی رعایت کہاں کہاں رکھی ہے۔

پانی کو گندا نہ کیا جائے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور جتنی انسان کی ضرورت ہے، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اسے وافر مقدار میں پیدا بھی فرمایا ہے اوراسے مباح الاصل بنادیا ہے۔ یعنی اصل اور بنیادی اعتبار سے وہ ہر انسان کے لیے ہے، کوئی اس پر ملکیت کادعویٰ کرکے دوسرے کو محروم نہیں کرسکتا۔

اسی طرح آگ اور گھاس ہے، چونکہ انسانوں کو ان کی ضرورت بہت ہوتی ہے اسی لیے اللہ نے ان تینوں کو بہ کثرت پیدا بھی کردیا ہے اور مباح الاصل بناکر سب کے لیے عام کردیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

سب مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ میں۔'' [1]

دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے، کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

ترجمہ: ''وہ کون سی چیز ہے جس کانہ دینا صحیح نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی، نمک اور آگ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ پانی! اس کو تو ہم جانتے ہیں، نمک اور آگ کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے حمیراء (حضرت عائشہؓ کا لقب) جو شخص آگ دے گویا اس نے وہ ساری چیزیں صدقہ کردیں جواس آگ نے پکائی اور جس نے نمک دیا اس نے وہ ساری چیزیں صدقہ کردیں جن کو نمک نے اچھابنایا اور جس شخص نے ایسی جگہ کسی مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی ملتا تھا، گویا اس نے ایک غلام کو آزاد اور جس نے کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تھا، اس نے گویا کسی کو زندہ کردیا۔'' [2]

پانی کو گندہ اور ناپاک کرنے سے منع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی ٹھہرے



ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرے۔[3]

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جبکہ وہ جنبی ہو۔ لوگوں نے (راویٔ حدیث حضرت ابوہریرہؓ) سے پوچھا کے اے ابوہریرہؓ! پھر کیا کرے؟ فرمایا اسی میں سے علیحدہ نکال کر غسل کرے"۔[4] حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے: "رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا"۔[5] جب کوئی سو کر اٹھے تو بغیر ہاتھ دھوئے، ہاتھوں کو پانی کے برتن میں نہیں ڈالنا چاہیے اور احتیاطاً تین بار دھونا چاہیے: "جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو پہلے اپنے ہاتھ کو تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے"۔[6] (یعنی رات میں ہاتھ کہاں کہاں لگا ہے)۔

طہارت و نظافت اختیار کی جائے

مسجد قباء اور وہاں کے انصار صحابہؓ کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔"[7]

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اہل قبا کو بلایا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے طہارت کے سلسلے میں تمہاری تعریف کی ہے بتاؤ تم آخر کیا کرتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا "اور بھی کچھ کرتے ہو؟" جواب دیا "ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم لوگ پیشاب و پاخانہ کے بعد صرف ڈھیلے پر اکتفانہ کر کے پانی سے استنجا کرنا پسند کرتے ہیں۔" حضور ﷺ نے فرمایا: (ترجمہ) تعریف کی یہی بات ہے اسے ضرور کرتے رہنا"۔[8]

امام قرطبیؒ آیت کی تفسیر بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ: اللہ تبارک تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور طہارت پر نظافت کو ترجیح دیتے ہیں"۔[9]

طہارت و نظافت دو چیزیں ہیں، کوئی چیز دیکھنے میں میلی کچیلی ہے، مگر نجاست نہیں لگی ہے تو اسے طاہر (پاک) کہیں گے لیکن نظیف (صاف ستھری) نہیں کہیں گے۔ نظافت کا درجہ طہارت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اہل قباء اگر ڈھیلا استعمال کرتے تو بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے لیکن انھوں نے اس سے بڑھ کر نظافت کا طریقہ اختیار کیا جو کہ پانی کے استعمال سے ہوا۔

صالح بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب کو فرماتے ہوئے سنا: (ترجمہ:) بیشک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، ستھرا ہے، ستھرائی کو پسند کرتا۔ کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے۔ سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ پس صاف رکھو (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ اپنے صحنوں کو کہا۔ اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس بات کا ذکر میں نے مہاجر بن مسمار سے کیا تو انھوں نے کہا کہ عامر بن سعدؓ نے اپنے والد سے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں صاف طور پر یہ الفاظ موجود ہیں نظفوا افنیتکم (اپنے صحنوں کو صاف کرو)۔"[10]

یہود کا طریقہ تھا کہ وہ کچرا اور گوبر وغیرہ اپنے گھروں کے دروازوں پر ڈال دیا کرتے تھے، یعنی گھروں کی صفائی کی اور کچرا دروازہ پر ڈال دیا۔ جس سے ہر آنے جانے والے کو کراہیت ہوتی تھی۔ یہود کی مشابہت سے بچنا اسی معاملے میں ہے!![11]

انسان اگر نظافت اختیار کرتا ہے، اپنا لباس، اپنی وضع قطع اچھی بناتا ہے، اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے حسن و خوبصورتی اختیار کرتا ہے تو شریعت نے اس کی پوری آزادی دی ہے۔ کوئی بندش نہیں لگائی۔

ایک صحابی نے عرض کیا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا رہے۔ اس کا جوتا اچھا رہے۔ کیا یہ چیز تکبر مین آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ تو جمال ہے اور بیشک اللہ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔"[۱۲]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا بال بکھرے ہوئے، پراگندہ حال، آپ ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: کیا یہ کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے سر کے بالوں کو سیدھا کرلے۔" دوسرے کو دیکھا گندے، میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے، اس کے بارے میں فرمایا: کیا یہ کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑوں کو دھولے۔"[۱۳]

> یہود کا طریقہ تھا کہ وہ کچرا اور گوبر، لید وغیرہ اپنے گھروں کے دروازوں پر ڈال دیا کرتے تھے، یعنی گھروں کی صفائی کی، اور کچرا دروازہ پر ڈال دیا۔ جس سے ہر آنے جانے والے کو کراہیت ہوتی تھی۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
ترجمہ: اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر اس کے بندہ پر دکھائی دے۔"[۱۴]

مسواک کا استعمال بھی نظافت ہی میں داخل ہے:
ترجمہ: مسواک، منہ کے لیے پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔"[۱۵]

خوشبو کا استعمال بھی ہے جو کہ تمام انبیاء کرام کی سنت ہے۔[۱۶] اور سفید کپڑے بھی: سفید کپڑے پہنو، یہ زیادہ طہارت و پاکیزگی کا ذریعہ ہیں۔"[۱۷]



خصال فطرت ناخن کٹوانا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف صاف کرنا مونچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا بھی طہارت و نظافت کے ہی قبیل سے ہے[۱۸] اور طہارت کو نصف ایمان کہا گیا ہے الطہور شطر الایمان (رشعة اللمعات 180/1)

اجتماعی ماحول کو آلودگی سے بچانا

جو مواقع بہت سے لوگوں کے مجتمع ہونے کے ہوتے ہیں، ان میں مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں،، مختلف مقامات کے مختلف ذہن رکھنے والے، مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے، مثلاً عیدین اور جمعہ میں اس قسم کا اجتماعی ماحول ہوتا ہے، لہٰذا حکم ہے کہ غسل کرو، خوشبو لگاؤ، تمہارے کپڑوں میں سب سے عمدہ ہو یا پرانا، دھلا اور صاف ستھرا ہو، اسے پہن کر نماز جمعہ و عیدین میں جاؤ۔ تاکہ ایک دوسرے کے لباس، پسینہ وغیرہ سے کسی کو اذیت نہ ہو، خوشی کا ماحول، کبیدگی کا ماحول نہ بنے۔ اسی حکمت و مصلحت کو اس حدیث کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ عراق کے کچھ لوگ عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور کہا "اے ابن عباسؓ کیا آپ کے خیال میں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟" فرمایا نہیں! لیکن غسل بہت پاک کرنے والا اور بہتر ہے اس کے لیے جو غسل کرے اور جو غسل نہ کرے تو اس پر واجب نہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل کیسے شروع ہوا۔ لوگ غریب و محتاج تھے، اون پہنتے تھے، اپنی پیٹھوں پر کام کرتے تھے۔ مسجد نبوی تنگ اور قریب چھت والی تھی۔ بس وہ ایک چھپر کی مانند تھی، رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ گرمی کے دن میں نکلے، لوگ اونی کپڑے میں پسینہ میں تر ہوگئے تھے، ان سے بدبو پھیلی اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کو ایذا پہنچی۔ یہ بدبو حضورؐ نے بھی محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا جب یہ دن آئے تو غسل کرو اور تمہارے پاس جو اچھی خوشبو یا تیل ہو لگاؤ اور پھر مسجد میں آؤ۔



عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مال دے دیا، اون کی جگہ سوتی اور دوسرے قسم کے کپڑے پہننے لگے، کام سے بھی کفایت کیے گئے۔ مسجد نبویؐ بھی کشادہ کر دی گئی اور وہ چیز (پسینہ) جاتی رہی جو ایذا کا سبب بنتی تھی لہٰذا یہ غسل واجب کے بجائے سنت ہو گیا۔[19]

پبلک مقامات کو آلودگی سے بچانا

ایسی جگہیں جو لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے کی ہوں سیر سپاٹے، تفریح کی ہوں، سردیوں میں دھوپ کھانے، گرمیوں میں سائے اور ہوا خوری کے ہوں، راستے اور سڑکیں ہوں، پانی پینے، کپڑا دھونے یا ندی پار کرنے کے گھاٹ ہوں، ان مقامات کو نجاست سے آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی جگہوں پر پیشاب و پاخانہ کے لیے بیٹھنا منع ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اتقوا اللا غنین (دو سبب لعنت چیزوں سے بچو) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: وہ دونوں سبب لعنت چیزیں کیا ہیں، فرمایا: "وہ جو لوگوں کے راستے میں پاخانہ کرے یا ان کے سایہ حاصل کرنے کی جگہ میں"۔[20] دوسری حدیث میں ہے: تین ایسی چیزوں سے بچو جو سبب لعنت ہیں، گھاٹوں، راستوں اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے (کیونکہ ایسی جگہوں پر جو پاخانہ دیکھے گا وہ پاخانہ کرنے والے کو برا بھلا کہے گا۔ محدثین کے مطابق سردیوں میں دھوپ حاصل کرنے کی جگہ گرمیوں کے سایے کے ہم معنی ہے۔[21] پانی میں پھونکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔[22] لہسن پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے[23] جب رات میں سونے کا وقت آئے تو چراغ بجھانے، برتن ڈھانکنے کا حکم ہے، آگ چولھے وغیرہ میں جلتی نہ چھوڑی جائے، برتن کھلے نہ چھوڑے جائیں[24] راستہ سے تکلیف دہ چیزیں، پتھر،



شیشہ، کیلے کا چھلکا، نجاست و گندگی وغیرہ ہٹادی جائے۔[25]

کسی جاندار کی غذا کو آلودہ نہ کرنا

اسلام نے حکم دیا ہے کہ کسی بھی جاندار کی غذا کو نجاست سے آلودہ نہ کیا جائے۔ یعنی انسان، سی جاندار کے نجاست کھانے کا سبب نہ بنے۔ کوئی جانور خود سے نجاست کھاتا ہے، وہ دوسری بات ہوئی۔ لیکن انسان اس کے لیے ذریعہ بنے یہ دوسری بات ہوئی۔ اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب جنوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا تو انھوں نے کہا: اپنی امت کو ہڈی، لید اور کوئلے سے استنجا کرنے سے منع کر دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارا رزق بنایا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا۔[26]

شارحین فرماتے ہیں کہ ہڈی اور کوئلہ جنات کی غذا ہے اور لید جنات کے جانوروں کی غذا ہے۔[27]

حواشی:

1. ابن ماجاء صفحہ 180 باب المسلمون شرکاء فی ثلاث
2. ابن ماجاء ایضاً
3. بخاری جلد 1 صفحہ 37 باب البول فی الماء الدائم
4. مسلم جلد 1 صفحہ 138 باب النہیٰ عن البول فی الماء الراکد
5. حوالہ مذکور
6. مسلم جلد 1 صفحہ 136 باب کراہیۃ غمس المتوضی وغیرہ
7. توبہ: 108
8. الجامع للاحکام القرآن للقرطبی صفحات: 8-259-260
9. کتاب مذکور 261/8
10. ترمذی 107/2 باب ماجاء فی النظافۃ
11. رشعۃ اللمعات 589/3
12. مشکوٰۃ المصابیح 433/2 باب الغضب والکسبو بحوالہ مسلم
13. مشکوٰۃ المصابیح 375/2 کتاب اللباس بحوالہ نسائی
14. ترمذی 109/2 باب ماجاء ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ
15. ابن ماجہ صفحہ 25 باب السواک
16. مشکوٰۃ المصابیح 44/1 عن ابی ایوب بحوالہ ترمذی حدیث ربع من سنن المرسلین الخ
17. ترمذی 193/1 باب ماجاء ما یستحب من الاکفان و مشکوٰۃ المصابیح 374/1
18. مسلم 128/1 باب خصال الفطرۃ، ابن ماجاجہ صفحہ 25 باب الفطرۃ
19. ابو داؤد 51/1 باب رخصتفی ترک و لنفس یوم الجمعہ

ابو داؤد 5/1 باب الواضع التی نہیٰ عن البول فیہا

21. حوالہ مذکورہ
22. ابو داؤد 524/2 باب فی النسخ فی الشراب
23. مسلم 209/1 باب نہیٰ من اکل توماً او بصلاً
24. مشکوٰۃ المصابیح 372/2 باب تعظۃ الاورنی وغیرہا
25. مسلم 47/1 باب بیان من و شعب الایمان
26. ابو داؤد 5/1 باب ما ینہیٰ ان یشتنجیٰ بہ
27. مرقات المفاتیح 368/1 رشعۃ المعات 210/1

سائنس پڑھئے۔ آگے بڑھئے



اسلام اور ماحولیات

عبد الغنی شیخ۔ لیہ۔ لدّاخ

یہ مقالہ لدّاخ کی ایک معروف غیر سرکاری تنظیم ''لداخ اکالوجیکل ڈیولپمنٹ گروپ، لیہ'' کی طرف سے لیہ میں منعقدہ ایک سمینار میں حسب فرمائش لداخی زبان میں پیش کیا گیا تھا۔

اسلام میں ماحولیات کا ایک جامع تصور ملتا ہے اسلام نہ صرف ماحولیات کی افادیت کو سمجھنے کے لیے رہبری کرتا ہے بلکہ ماحولیات کے تحفظ اور توازن کو قائم اور بر قرار رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن مجید کی 6666 آیات میں 756 آیات کریمہ مظاہر قدرت سے متعلق ہیں۔ ان میں ماحولیاتی اہمیت کو ابھارا گیا ہے اور انسان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں کو دیکھے ۔ ان پر غور کرے اور ان سے استفادہ حاصل کرے ۔

زمین پر چل پھر کر دیکھو (عنکبوت)
زمین و آسمان میں نظر دوڑاؤ (یونس)
زمین، آسمان کی تخلیق پر غور کرو (اعراف)

اسلام نے دین، دنیا اور آخرت کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اپنے نیک اعمال سے اس دنیا کو خوبصورت بناؤ۔ جس میں ہم رہتے ہیں۔ اچھے انسانوں کے لیے دوسری دنیا میں بھی جنت ہے۔ قرآن میں جنت کا جو تصوّر پیش کیا گیا ہے وہ دلکش اور خوبصورت باغات کا مجموعہ ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، چشمے پھوٹتے ہیں اور ہر قسم کے لذیذ میوے اگتے ہیں۔

جنت کا تذکرہ پڑھ کر ایک متوازن اور مثالی ایکولوجیکل دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں بہت سارے مقامات پر جنت کو باغات کہا گیا ہے۔

ایک حدیث خدا کی جمالیاتی ذات پاک کو اجاگر کرتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: "خدا حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے"۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک قبر کا اندرونی حصہ ٹھیک طرح ہموار نہیں بنایا گیا ہے آپ ﷺ نے اسے ٹھیک بنانے کے لیے کہا اور فرمایا: "اگرچہ اس سے مردے کو فائدہ پہنچے گا اور نہ نقصان، لیکن زندوں کی آنکھوں کو بھائے گا۔ جو کوئی کچھ بھی کرے خدا چاہتا ہے کہ وہ اسے ٹھیک طرح کرے ۔" حضور ﷺ نے ہر چیز کو خوبصورتی سے بنانے کی ہدایت دی ہے ۔ اسلامی فن تعمیر، خطاطی وغیرہ اسی تعلیم کی دین ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ اپنے نیک اعمال سے اس دنیا کو خوبصورت بناؤ جس میں ہم رہتے ہیں

خدا نے ہماری زمین بنائی اور انسان نے اپنی عقل اور محنت سے اس زمین کو آباد کیا۔ قرآن میں علوم حیوانات، نباتات، جمادات، حیاتیات وغیرہ کا جابجا ذکر ہے۔ "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" (خدا نے زمین خلق کے لیے بنائی ہے) اسی قبیل کی آیات کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے "زمین کے پوشیدہ خزانوں میں اپنا رزق تلاش کرو، خدا نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔"

قرآن کہتا ہے:

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے



(معاش) تلاش کرو اور شکر گزار بنو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لیے مسخر کردیا۔ تفکر کرنے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ (الجاثیہ :13-12)

ترجمہ: اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے (ابراہیم:32)

قرآن مجید کی سولھویں سورہ کی دسویں اور گیارھویں آیات میں ہے: "وہی (خدا) پانی کو آسمان سے اتارتا ہے جو تمہارے پینے کے لیے ہے اور اسی سے درخت اگتے ہیں۔ جن میں آزادی سے اپنے مویشی چراتے ہیں۔ اس سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجوریں، انگور اور ہر قسم کے میوے اگتے ہیں۔"

سورۃ الحجر کی بائیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

اور ہم نے رس بھری ہوائیں چلائیں اور آسمان سے پانی اتارا پھر تمہیں سیراب کردیا۔"

سورۂ طٰہٰ کی آیات (53-54) میں فرمایا: "اس نے مختلف قسموں کے پودوں کے جوڑے اگادیے۔ خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ ان میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔"

سورہ الانعام کی آیت 99 میں ہے: "ہم پانی سے ہر قسم کی اگنے والی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔ پھر اس سے ہریالی اور دانوں بھرے خوشے نکالتے ہیں۔"

قرآن مجید میں چوپایوں، پرندوں، شہد کی مکھیوں اور مکڑیوں جیسی مخلوقات کا تذکرہ ہے۔ ایکو سسٹم (Eco-system) سے متعلق قرآن پاک میں ایک واضح آیت ہے: "آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔ اس کا تقاضہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ (رحمٰن: 8-7) "زمین کو ہم نے پھیلا دیا۔ اس میں پہاڑ مضبوط جمادیئے۔ ہر طرح کی چیزیں مناسب انداز میں اگائیں...... ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں جن کو ہم مناسب مقدار میں اتارتے رہتے ہیں"۔ (الحجر: 21-19)

پہلی آیت کا یوں بھی ترجمہ ہوا ہے: "اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے خاص انداز پر رکھا۔" نو مسلم فرانسیسی مارس بکائیلے نے اپنی کتاب "قرآن، بائبل اور سائنس" میں اس قرآنی نظریۂ توازن کی افادیت کو ابھارا ہے۔

گیارھویں صدی کے مسلم سائنس داں احمد بن محمد علی مسکویہ لکھتا ہے: "تمام قوتیں نہایت اعتدال اور صحت کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط اور منظّم ہیں۔"

اسلام نے کھیتی باڑی اور شجر کاری کی ترغیب دی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے "کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ اگر اس نے کھیتی باڑی کی ہو، درخت لگائے ہوں اور پھر اس کھیتی یا درخت سے پرندے، آدمی یا جانور خوراک حاصل کریں تو یہ اس کے حق میں صدقہ شمار نہ ہو (بخاری)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "جس کے پاس کوئی زمین ہے، وہ خود زراعت نہ کرسکے تو اپنے بھائی کو دیدے۔"

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی 'لن تنا لوا البر حتی تنفقون مما تحبّون' ، یعنی تم اس وقت تک اچھائی نہیں پاسکتے جب تک اپنی سب سے پیاری چیز خرچ نہ کرو، تو انصاری اور صحابہ کرامؓ کے لیے یہ ایک اہم چیلنج تھا۔ ان دنوں مدینہ میں ایک صحابی حضرت ابو طلحہ سب سے زیادہ کھجور کے باغات کے مالک تھے۔ ان کے ایک باغ کا نام بیر حا تھا، جو ان کو سب سے پیارا تھا۔ حضور ﷺ اس باغ میں تشریف لایا کرتے تھے اور یہاں کا تازہ پانی نوش فرماتے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو طلحہ حضور کے پاس آئے اور ان سے عرض کیا "میری سب سے پسندیدہ ملکیت باغ بیر حا ہے۔ میں اس کو خدا کی راہ میں نذر کرتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہوگا کہ اس باغ کو وہ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کریں۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ نے اپنے رشتہ داروں میں باغ کو تقسیم کیا۔

اسلام نے کھیتی باڑی اور باغبانی کے لیے ایک لائحہ عمل بنایا ہے۔ حدیث ہے: "میوے کے درخت پر جب تک میوہ نہ اگے اور آفات سے محفوظ نہ رہے، تب تک مالک باغ کو اس کے فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

اسلامی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے صدیوں پہلے ماحولیات کی افادیت کو سمجھ لیا تھا۔ گیارھویں صدی میں بغداد



کے ایک سائنس داں ابوالبرکات بغدادی نے ماحولیات پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں انھوں نے کثافت پر بحث کی ہے۔ وہ جغرافیہ کا پہلا محقق تھا۔

دسویں صدی میں عرب سائنس داں ابونصر محمد بن فارابی نے ماحولیات سے متعلق اپنے خیالات پیش کیے ہیں، وہ لکھتا ہے: "شہر ایک جسم ہے اور محلے اس کے اعضاء ہیں، لوگوں پر آب وہوا کا اثر پڑتا ہے۔"

جنت کا تذکرہ پڑھ کر ایک متوازن اور مثالی ایکو لوجیکل دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے چنانچہ قرآن میں بہت سارے مقامات پر جنت کو باغات کہا گیا ہے

فارابی کے ہم عصر شہرۂ آفاق طبیب اور سائنس داں ابوبکر محمد زکریا رازی ، جنھیں بوعلی سینا کی طرح علم طب کا امام کہا جاتا ہے، اکالوجی اور آلودگی کے نقصانات کا گہرا شعور رکھتے تھے، ایک شہر میں اسپتال کی تعمیر کے لیے انھوں نے جگہ کی انتخاب میں جدت سے کام لیا۔ رازی نے حکم دیا کہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے شہر کے مختلف مقامات اور محلوں میں مناسب جگہوں پر لٹکا دیے جائیں اور ہر روز صبح کے وقت ان ٹکڑوں کا معائنہ کیا جائے اور ان کی باقاعدہ رپورٹ مرتب کی جائے۔ طبیبوں کی ایک جماعت ہر جگہ جا کر گوشت کے ان ٹکڑوں کا معائنہ کرنے لگی اور رنگ وبو، ذائقہ اور دیگر تبدیلیوں کی جانچ پڑتال کر کے نتیجہ نوٹ کرنے لگی۔ تیسرے روز ان ٹکڑوں کی باقاعدہ جانچ ہوئی اور رپورٹ مرتب کی گئی۔ جس جگہ گوشت اپنی اصلی حالت میں رہا، رازی نے وہاں اسپتال قائم کیا۔

جدید سائنس کہتی ہے کہ زندگی کا آغاز پودے سے ہوا۔ احمد بن محمد علی مسکویہ نے گیارھویں صدی میں یہ نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے: "زندگی پہلے پہل نباتات کی شکل میں نمودار ہوئی۔ نباتات میں حرکت پائی جاتی ہے اور ان کو کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھوں نے پودوں کی نشوونما کے لیے خوشگوار موسم، عمدہ زمین، صاف پانی، ہوا اور روشنی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔"

مغرب میں ماحولیات کی بقا اور تحفظ کے لیے آج زوردار تحریکیں چل رہی ہیں اور سیاسی سطح پر گرین پارٹی وجود میں آئی ہے۔ جو اس ضمن میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ لیکن چند دہائیاں پہلے مغرب ماحولیات کی افادیت سے ناآشنا تھا۔ وہاں بے تحاشہ قدرتی وسائل اور ماحولیاتی دولت کو لٹایا جاتا تھا، جنگلات کا صفایا کر کے کارخانے لگانا اور بلند وبالا عمارتیں تعمیر کرنا ترقی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

ماحولیات پر ایک کانفرنس میں گرین الائینس کی چیئرمین ایلزبتھ سڈنی نے، جو انگلینڈ سے تعلق رکھتی ہیں، کہا تھا "انگلینڈ میں صدیوں سے لوگوں میں دو عقائد تھے۔ اوّل زمین خود بخود صاف ہو جاتی ہے، دریا میں جو چیزیں پھینکی جائیں اس کا بہتا پانی صاف وشفاف رہتا ہے۔ جنگلات کا صفایا ہو تو ان کی جگہ نئے پیڑ اگ آتے ہیں۔ جنگلی جانوروں کا شکار کیا جائے تو نسل معدوم نہیں ہوتی بلکہ ان کی جگہ دوبارہ جانور پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرا نظریہ یہ تھا۔ (وسائل سے) چیزیں بنانا ہر حالت میں نفع بخش ہے۔ اس طرح لوگ اپنے ماحول اور پڑوسیوں کے مسائل سے بیگانہ ہو گئے تھے۔"

یہ صورت حال کم وبیش یورپ کے تمام ملکوں میں تھی۔ جرمنی میں صنعتی ترقی کے نام پر جنگلات کو بڑا نقصان پہنچایا گیا۔ موجودہ صدی کے 70 کے دہے میں یورپ کو ماحولیات کی اہمیت اور اس کی حفاظت کا احساس ہوا۔ حساس افراد کی ایک جماعت ابھری جو بعد میں گرین پارٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔ آج کل شجر کاری، وسائل کے تحفظ اور صفائی کی طرف صنعتی اور مغربی ممالک غیر معمولی توجہ دے رہے ہیں۔

اسلام میں سبز رنگ اہم ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سبز رنگ کو بہت پسند فرماتے تھے۔ حدیث ہے: "جاری پانی اور سبز چیز کو دیکھنے سے نگاہ تیز ہوتی ہے۔" دوسری حدیث ہے: "زینت دیا کرو اپنے دستر خوان کو سبز چیزوں سے" سبز چیزوں سے مراد ترکاریاں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو پھل اور سبزیاں



بڑی مرغوب تھیں انھوں نے انگور، انار اور انجیر کی تعریف کی ہے۔ وہ کھیرا، ککڑی اور خربوزہ کے ساتھ کھجور ملا کر کھاتے تھے۔ سبز رنگ کی مناسبت سے اسلام میں قومی پرچم، علم وغیرہ عموماً سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

ماحولیات کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ سماجی اور ماحولیاتی توازن کو نقصان پہنچائے بغیر زندگی کے معیار کو بلند کیا جائے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ قدرتی وسائل کا بے جا استعمال نہ ہو۔ حتیٰ کہ ندی نالے اور دریا کے پانی کے استعمال میں بھی کفایت برتنے کی ہدایت دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''ضرورت سے زیادہ گھاس اور پانی کا استعمال نہ کیا جائے۔''

زمانہ حال میں ماحولیات سے متعلق اسلامی نظریہ کو ایک جرمن ماہر اقتصادیات اور صحافی شو میشر (E.F.Schumach-er) نے اپنی کتاب "Small is beutiful" میں پیش کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہے: ''ہمیں نہ صرف اپنے ہم جنس انسانوں سے بلکہ فطرت سے امن سے رہنا سیکھنا چاہیے۔''

ماحولیات کی حفاظت کے لیے منصوبہ بندی ضروری ہے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بغداد کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے انجینئروں کی ایک جماعت مقرر کی۔ ان انجینئروں میں نوبخت (776) اور فضل بن بخت (816ء) باپ بیٹے دو انجینیئر تھے۔ ان کو شہری آبادی کی پلاننگ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

بارھویں صدی میں ایک انجینئر ابن الہیثم نے مصر میں اسوان بندھ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا لیکن فنڈ کم ہونے کی وجہ سے اس بڑے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا نہیں جا سکا۔ اور مصری حکومت کو بیسویں صدی تک آٹھ سو سال کا انتظار کرنا پڑا۔

زمانۂ وسطیٰ میں مسلم سلاطین نے راستوں پر دورویہ درخت لگوائے اور پیاسے مسافروں کی سہولت کے لیے مختلف مقامات پر کنویں کھدوائے ہیں۔ اسلام نے صفائی پر بڑا زور دیا ہے۔ جرمن ماہر مستشرقیات ایکم کی بولف نے قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے ''قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکیزگی کی جو تعلیم دی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو بیماریوں کے سارے جراثیم ہلاک ہو جائیں۔'' حدیث میں صفائی کو آدھا ایمان بتایا گیا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا جائے اور ہفتہ وار ناخن ضرور ترشوائے جائیں۔

جانوروں کے حقوق سے متعلق اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں۔ کسی جانور کو بلا وجہ نہ ستائیں۔ محض دل بہلانے کے لیے کسی جانور کو نہ ماریں۔ جس جانور سے کوئی فائدہ نہ ہو، اس کو قید نہ کریں، اور جن جانوروں کو اپنے ذاتی فائدے کے لیے رکھا جائے ان کے کھانے پینے، راحت و آرام اور علاج معالجہ کا پورا خیال رکھیں۔ سواری کے قابل اور بار بردار جانوروں پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادیں۔

ان تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے صدیوں پہلے ماحولیات کی افادیت کو سمجھ لیا تھا۔ گیارھویں صدی میں بغداد کے ایک سائنسداں ابوالبرکات بغدادی نے ماحولیات پر ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے کثافت پر بحث کی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک بدچلن عورت کی بخشش اس بناء پر ہو گئی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ ایک دوسری مذہبی عورت کو انھوں نے جہنمی قرار دیا، جس نے ایک بلی کو بغیر کھلائے پلائے باندھے رکھا۔ جس کی وجہ سے وہ مر گئی۔

آج ماحولیات اور کثافت کا مسئلہ بنی نوع انسان کے لیے بڑا سنگین بنا ہوا ہے۔ خاص طور پر جدید ٹیکنالوجی سے ماحولیات کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کا اثر نہ صرف خشکی پر بلکہ سمندروں پر بھی پڑ رہا ہے۔ چند سال پہلے ہوئے ایک سروے کے مطابق موجودہ صدی کے پچاس سال کے دوران



آبی جانداروں کی تعداد میں 40% کمی ہوئی ہے اور ایک ہزار سے زائد آبی جانوروں کی قسمیں معدوم ہو گئی ہیں۔

آج ہر سال دنیا میں سیکڑوں نئی کیمیائی اشیاء کا اضافہ ہوتا ہے، جن سے ماحولیات، انسانی صحت اور زندگی کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ انسان تو انسان، ان کا اثر پختہ عمارتوں پر پڑ رہا ہے۔ متھرا کے تیل کے کارخانے سے تاج محل کا سنگ مرمر، کینسر کا شکار ہو رہا ہے۔ یونان کی راجدھانی ایتھنز میں پرتھے نس تقریباً دو ہزار سال صحیح و سلامت رہنے کے بعد پچھلے ساٹھ ستر سالوں میں آلودگی سے تنزل پذیر ہے۔

فیکٹریوں اور گاڑیوں کے دھویں سے ماحول بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ ہماری راجدھانی دہلی کی مثال لیجئے۔ یہاں ہر ماہ دس ہزار گاڑیوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق اس صدی کے اختتام تک دہلی میں گاڑیوں کی تعداد اڑتیس (38) لاکھ تک پہنچے گی۔

ترقی پذیر ملکوں میں کھیتی باڑی میں کیمیاوی کھاد استعمال ہوتی ہے۔ حالیہ تحقیقات کے مطابق کیمیاوی کھاد سے پیدا شدہ اناج صحت کے لیے مضر پایا گیا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں کیمیاوی کھاد کے استعمال میں بڑی کمی واقع ہوئی ہے۔

پچھلی ایک دہائی کے دوران ہماری اس دھرتی پر تیس کروڑ ایکڑ رقبے میں پھیلے جنگلات کا صفایا ہوا ہے۔ کوئلے، تیل اور گیس کے استعمال سے تین سو ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوئی ہے۔ اور فضا میں بھاری کثافت اور آلودگی پیدا ہوئی ہے۔ اسی دوران جنگلی جانوروں اور پیڑ پودوں کو سخت نقصان پہنچا ہے۔

ایسے میں اسلام ماحولیات کے تحفظ کے لیے اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ "جو اپنے لیے چاہتے ہو وہ دوسروں کے لیے بھی چاہو۔ حدیث ہے: "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کی ذات سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچے۔ رحم، عدل، اعتدال، امن اور انصاف اسلامی تعلیمات کی اہم خصوصیات ہیں۔ جن کا قرآن مجید میں جابجا ذکر ہے۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں ایک مسلمان اور انسان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود صاف ستھرا ہی نہ رہے بلکہ اپنے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھے۔ قدرتی وسائل کا بے جا استعمال نہ کرے۔ ندی نالے اور دریا کا پانی گندا نہ کرے، پیڑ پودے لگائے۔ جانوروں سے اچھا برتاؤ کرے۔ اپنے ہمسایوں اور معاشرے کا خیال رکھے۔ اور اسراف سے باز رہے۔ اس طرح ہماری یہ دنیا بھی خوبصورت بن سکتی ہے۔

بقیہ : ایک خط سماج کے نام

موجود رہیں اور بچوں کو محبت، درگزر اور حکمت عملی سے اسلام کے راستے پر لے آئیں۔

والدین خود ایمانداری، حسن عمل، محنت، جائز کمائی، پاکی، سادگی اور عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کریں اور بچوں کو اس پر عمل کی ترغیب دیں۔ اور یہ دعا بھی کرتے جائیں: (ترجمہ) اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔"

خط طویل ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اب اجازت چاہوں گا۔

والسلام آپ کا بھائی

عبد المعز شمس



عدم توازن

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

گزشتہ سال 10-7 رمئی کے درمیان امریکہ کی مشہور ہارورڈ یونیورسٹی میں "اسلام اور ایکولوجی" کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں راقم الحروف نے شرکت کی تھی اور ایک مقالہ پڑھا تھا زیر نظر مضمون اسی مقالے کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔ مذکورہ سیمینار میں شرکت کے واسطے راقم کو ہارورڈ یونیورسٹی نے مدعو کیا تھا نیز سفر اور قیام کی ذمہ داری اٹھائی تھی جس کے لیے احقر یونیورسٹی کا شکر گزار ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں ہر چیز کو نپی تلی مقدار میں اور باہم توازن کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس حقیقت کا بیان بے حد خوبصورت انداز میں قرآن مجید میں یوں ہے:

ترجمہ: "اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔" (الاعلیٰ:2-1)

"ہم نے زمین کو پھیلایا۔ اس میں پہاڑ جمائے۔ اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔" (الحجر:19)

"کوئی چیز ایسی نہیں، جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں، ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔" (الحجر:20)

یہ حقیقت اگرچہ چودہ سو برسوں سے قرآن مجید میں پوشیدہ ہے تاہم کائنات کی بیشتر چیزوں کے درمیان توازن کا احساس ہمیں اس وقت پیدا ہوا جب مغرب کے ہاتھوں تازہ (یا جدید) سائنس وجود میں آئی اور اس میں کچھ اہم عناصر کے مابین تعلق اور توازن کا ذکر آیا۔ آج جب بچے اسکول میں پیڑ پودوں اور جانوروں کے بارے میں پڑھتے ہیں تو انھیں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہرے پودے اور جانور، دونوں ہی اپنے ماحول سے گیس جذب بھی کرتے ہیں اور خارج بھی کرتے ہیں۔ ہرے پودے دن میں ہوا میں سے کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ جانور ہوا سے آکسیجن گیس جذب کرتے ہیں اوراور اس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کرتے ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ جانوروں کے لیے زہر ہے جبکہ ہرے پودے اسی کی مدد سے اپنی غذا یعنی شکر تیار کرتے ہیں۔ آکسیجن جانداروں کے لیے "گیس حیات" ہے کہ اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ سبحان اللہ کیا توازن ہے۔ ان گیسوں کی بنیاد پر بھی اگر دیکھیں تو اس زمین پر سبز پودوں اور جانوروں کے بیچ ایک توازن ہے۔ اگر جانور زیادہ ہو جائیں گے تو وہ ہوا میں سے زیادہ آکسیجن جذب کرلیں گے اور ساتھ ہی زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کر کے ہوا کو بوجھل، آلودہ اور زہریلا بنادیں گے۔ ان جانوروں میں جو سبز خور ہوں گے ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا تو وہ مزید ہریالی کو کم کریں گے کیونکہ یہی ان کی خوراک ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ توازن بگڑے گا۔ اسی طرح اگر سبزہ زیادہ ہو جائے تو اسے زندہ رہنے کے لیے زیادہ مقدار میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس چاہیے ہوگی جو کہ کم جانور پیدا نہیں کرپائیں گے۔ ساتھ ہی ہوا میں آکسیجن کی مقدار بڑھ جائے گی جو کہ ہرے پودوں کے فوٹو سنتھیسس (Photo Syn-thesis) کے عمل کو سست کرنے کی صفت رکھتی ہے۔ گویا یوں بھی توازن ضروری ہے۔

اسی طرح ایندھن اور توانائی کے استعمال میں توازن کی



ضرورت ہے۔ جب بھی کوئی چیز جلتی ہے چاہے وہ لکڑی ہو، کوئلہ ہو، پیٹرول ہو یا گیس، اسے جلنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے اور جلنے پر وہ ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسیں خارج کرتی ہے۔ گویا جلنے کا یہ عمل گیسوں کے تبادلے کے معاملے میں جانوروں کے سانس لینے کے عمل جیسا ہی ہے کہ دونوں میں آکسیجن استعمال ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوتی ہے۔ اس کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ہوا میں سے ختم کرنے کے لیے ہرے پودے چاہئیں اور جلنے کے لیے آکسیجن مہیا کرنے کے واسطے بھی ہرے پودے چاہئیں۔ لہٰذا ایندھن کے استعمال اور سبزے کے درمیان جو توازن ہے اسے مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اس سے باہر کائنات میں پھیلے قدرت کے دیگر مظاہر میں بھی۔

آج ماحول میں کثافت اور آلودگی کا جو ذکر ہے اس کی بنیادی وجہ عدم توازن ہے۔ ہوا میں موجود کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی جتنی مقدار پیڑ پودے جذب کرکے صاف کرسکتے تھے اس سے کہیں زیادہ مقدار ہم ہوا میں خارج کررہے ہیں۔ اپنے کارخانوں سے موٹر گاڑیوں سے۔ پانی جتنی غلاظت اور فضلے کو صاف کرسکتا تھا ہم اس سے زیادہ مقدار میں اور زیادہ خطرناک قسم کا فضلہ پانی میں خارج کررہے ہیں۔ نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ماحولیاتی توازن بگڑ چکا ہے۔ جانداروں کی صحت تو خطرے میں ہے ہی، وجود بھی خطرے میں پڑ رہا ہے۔

سائنسی یا ماحولیاتی نقطہ نظر سے ہمارے ماحول کے دو اہم اجزاء ہیں۔ بے جان اور جاندار۔ بے جان اجزاء جیسے گیس، مٹی، پانی، معدنیات، ہوا، درجہ حرارت وغیرہ اور جاندار اجزاء میں وہ سبھی چھوٹے بڑے جاندار آجاتے ہیں جو سمندر کی تہہ سے لے کر دور آسمان کی اونچائیوں تک، مٹی میں چھپے ننھے کیڑے مکوڑوں اور دیگر جانداروں سے لے کر ہوا میں موجود جراثیموں تک ...... اس زمین کی فضا میں آباد ہیں۔ اب تک ہمارے سائنس دانوں نے ماحول کے بے جان اجزاء کے ساتھ ہی کھلواڑ کیا تھا۔ ترقی کے نام پر اور ترقی کی ضرورت کے واسطے ان اجزاء کا بے تحاشہ استحصال کیا تھا اور کررہے ہیں۔ اسی وجہ سے ان اجزاء کے درمیان توازن بگڑ گیا۔ ہم آلودگی اور کثافت جیسے مسائل سے دوچار ہوگئے۔ اس عدم توازن کا احساس بھی ہمیں لگ بھگ دو سو سال بعد ہوا۔ صنعتی انقلاب کی آمد کے شادیانے بجانے کے بعد جب ہم ہوش میں آئے تو سانس گھٹ رہی تھی اب ہماری توجہ کسی حد تک اس جانب ہوئی ہے کہ اس توازن کو مزید نہ بگاڑیں نیز اسے سدھارنے کے لے کم از کم اتنے اقدامات تو کرلیں جن سے ہماری مادّی آسائشوں اور سیاسی فیصلوں پر آنچ نہ آئے۔ تاہم تشویشناک بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارے مغربی ائمہ سائنس اس توازن کو سنبھالنے کی کوشش کررہے ہیں تو دوسری طرف وہ بالکل ایک نئے انداز کا عدم توازن اور عدم استحکام پیدا کرنے کی شروعات کررہے ہیں میرا اشارہ آج کی ان جدید تکنیکوں کی طرف ہے جن کی مدد سے نئی نئی اقسام کے جاندار پیدا کیے جاسکیں گے۔ ان تکنیکوں کو جینی تکنالوجی، جینی انجینئرنگ، کلوننگ جیسے ناموں سے جانا جاتا ہے۔ یہ نام اب کچھ اجنبی نہیں رہے۔ ''ڈولی'' نام کی بھیڑ سے تو لگ بھگ پوری دنیا ہی واقف ہے۔ ان تکنیکوں کے بارے میں خود اس ماہنامے میں اور دیگر مقامات پر بھی بہت کچھ لکھا اور کہا جاچکا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر مختصراً ان کے بارے میں لکھنا ضروری ہے تاکہ موضوع کے ساتھ انصاف کیا جاسکے۔

ہر جاندار چاہے وہ پیڑ پودا ہو یا جانور، چھوٹا ہو یا بڑا، زندگی کی بنیادی اکائی سے بنتا ہے جس کو خلیہ یا سیل (Cell) کہتے ہیں۔ یہ اپنے آپ میں ایک مکمل دنیا ہوتی ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ دنیا میں شاید زندگی وجود میں اسی ایک سیل کی شکل میں آئی ہوگی۔ اس سیل کے مرکز میں ایک گیند نما شئے ہوتی ہے جسے مرکزہ یا نیوکلیس (Nucleus) کہتے ہیں، اس کے اندر باریک باریک دھاگے جیسے اجسام ہوتے ہیں جن کو کروموزوم (Chromosome) کہا جاتا ہے۔ انہی کے اندر وہ جینی مادّہ ہوتا ہے جس کی مدد سے عادات و اطوار، ورنگت ایک نسل سے دوسری نسل میں جاتی ہے اس کیمیائی مادّے کو ڈی این اے (DNA) کہتے ہیں۔ ہر جاندار کے جسم میں کروموزوموں کی تعداد، بناوٹ اور کیمیائی ترکیب الگ الگ ہوتی



ہے۔ مثلاً انسان کے جسم کے ہر سیل میں 46 کروموزوم 23 جوڑوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ اگر چہ ہر انسان میں 46 کروموزوم ہوتے ہیں لیکن ہر ایک انسان میں ان کروموزوموں کی کیمیائی ساخت یا یوں کہئے کہ جینی مادّے کی ترتیب وترکتب الگ الگ ہوتی ہے اسی لیے ہر ایک انسان ایک دوسرے سے الگ اور یکتا ہوتا ہے۔

سیل اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اب تک نہ جانے کتنے غیر مسلم اسی ایک سیل کی کارکردگی سے اللہ کی عظمت کے قائل ہوئے اور مسلمین میں شامل ہوگئے۔ اس سیل میں پائے جانے والے کروموزوموں یا ان کے اندر کے ڈی این اے مادّے میں تبدیلی کر کے جاندار کے وجود یا خواص میں تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ مجموعی طور پر ایسی تمام تکنیکوں کو ”جینی انجینئرنگ“ کا نام دیا گیا ہے جن کی مدد سے جینی مادّے میں انجینئرنگ کی جائے۔ اسی طرح اگر کسی ایک جاندار کے جینی مادّ سے بالکل اس کا ہم شکل یا ہمزاد تیار کیا جائے تو اسے ”کلوننگ“ کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں تکنیکیں اب باقاعدہ استعمال ہو رہی ہیں اور انکی مدد سے نئ اقسام کے جاندار تیار کئے جارہے ہیں۔

بدقسمتی سے اس کام اور اس تحقیق کی شرعات یہ سوچے بغیر کی گئی ہے کہ اس دنیا میں مختلف جاندروں کے درمیان بھی ایک ایسا ہی توازن پایا جاتا ہے جیسا کہ اس دنیا میں موجود بے جان اجزاء کے درمیان پایا جاتا ہے۔ آج ماحول کے بے جان اجزاء کے بارے میں تو ہم کسی حد تک کچھ جانتے بھی ہیں اور اسی معلومات کی مدد سے ہم اس کا توازن قائم کرنے کی از سر نو کوشش کررہے ہیں لیکن اس زمین پر پائے جانے والے جانوروں کی انواع واقسام خاص طور سے خرد بینی جانداروں کے بارے میں تو ہمارا علم آج بھی بے حد محدود ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کلام پاک میں اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے:

ترجمہ: ”اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت بنیں۔ اور وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکا تمہیں علم تک نہیں ہے۔“ (النحل:8)

اور ساتھ ہی ہمیں یاد دلایا ہے کہ اسے اپنی مخلوقات کا مکمل علم ہے۔

ترجمہ: ......اس نیں ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“ (الانعام:101)

دوسری طرف آج خود محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں موجود خرد بینی جانداروں کے بہت معمولی سے حصّے سے ہم واقف ہوئے ہیں۔ تازہ ترین جائزے کے مطابق ہماری یہ معلومات کتنی ہے یہ اس ٹیبل سے واضح ہوجاتا ہے:

جاندار کا خاندان	دریافت شدہ انواع	متوقعہ انواع کی تعداد (غیر دریافت شدہ)	فی صد واقفیت
کائی(Algae)	40,000	350,000	11.0
بیکٹیریا(Bacteria)	4,000	3,000,000	o.1
پھپھوند(Fungi)	70,000	1,000,000	5.0
پروٹوزوا(Protozoa)	40,000	100,000	40.0
وائرس(Virus)	5,000	500,000	1.0
کل میزان	1,50,000	5,450,000	3.0

خرد بینی جاندار اس زمین پر ماحول کو سنبھالنے میں ایک بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نیز جینی تکنیک سے متعلق زیادہ تر تجربات انہی خرد بینی جانداروں پر کیے جارہے ہیں اور انہی کی نئ نئ اقسام پیدا کی جارہی ہیں۔ کل یہ نئی اقسام ماحول میں کس طرح کی تبدیلی پیدا کریں کسے معلوم ہے؟ یہ وہ خطرہ ہے جس کی طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ اندیشے محض خیالی اندیشے ہوں یا کسی خوف زدہ ذہن کی پیداوار ہوں۔ بہت سے جینی تجربات خطرناک ثابت ہوچکے ہیں اور ہورہے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تجربات اور ان کے نقصانات پر تحقیق کر کے مقالے شائع کرنے والے بھی انہی مغربی ممالک کے سائنسداں ہیں جو آج جینی تکنیک کے بے مہار گھوڑے پر سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ یہاں مثال میں ان جینی طور پر تبدیل شدہ مچھلیوں کی دوں گا جن پر



تجربات دنیا کی تقریباً 40 یا 50 تجربہ گاہوں میں چل رہے ہیں۔ ان میں سے لگ بھگ ایک درجن تجربہ گاہیں امریکہ میں، اتنی ہی چین میں اور بقیہ کناڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، اسرائیل، برازیل، کیوبا، جاپان، سنگاپور اور ملیشیا وغیرہ میں ہیں۔ کناڈا کی ایسی ہی ایک لیب میں رابرٹ ڈیولن نے سالمن (Salmon) قسم کی مچھلیوں پر تجربہ کیا۔ انھوں نے کوہو سالمن (Coho Salmon) کی گروتھ ہارمون جین میں تبدیلی کر کے اس کی بڑھوار کو تیز کر دیا۔ نتیجہ میں جو مچھلیاں وجود میں آئیں وہ اپنی نسل سے اوسطاً 11 گنا زیادہ بڑی تھیں۔ تاہم ان میں سے کچھ 37 گنا زیادہ بڑی تھیں۔ ان میں بڑھوار بہت تیز تھی۔ ڈیولن کا خیال تھا کہ یہ جلدی بڑی ہوں گی اور وزنی ہوں گی اس لیے زیادہ آمدنی کا ذریعہ بنیں گی، یہ مچھلیاں، جنگلی مچھلیوں کے خاندان کی مدد سے بنائی گئی تھیں۔ چونکہ یہ مچھلیاں عام مچھلیوں کے ساتھ اختلاط کر سکتی تھیں اس لیے ان کو بڑے بڑے پنجروں میں بند کر کے سمندر میں رکھا جاتا تھا تاکہ یہ عام مچھلیوں سے اختلاط نہ کر سکیں کیونکہ ایسا ہونے میں مچھلیوں کی تمام نسلوں کے خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ بدقسمتی سے ناروے میں ایسا ہی ہو گیا۔ سیل (Seal) نامی سمندری جانوروں نے ان مچھلیوں کے پنجروں کو توڑ کر ان کو اپنی خوراک بنانا چاہا۔ کچھ مچھلیاں آزاد ہو کر پانی میں نکل گئیں اور وہاں انھوں نے مچھلیوں کی نسلوں کو برباد کر دیا۔ یونیورسٹی آف منے سوٹا کے ایک محقق کے مطابق اسی حادثے نے ناروے کی مچھلیوں کی آبادی اور مچھلی صنعت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ ایسی مثالیں کئی ہیں۔ جانوروں میں بھی اور پودوں میں بھی۔

ایسے تجربات کی بنیاد اس سوچ پر ہے کہ (نعوذ باللہ) جانداروں میں جو کمی رہ گئی ہے اسے ہم تجربہ گاہ میں ٹھیک کر کے ایک ''بہتر'' جاندار وجود میں لے آئیں گے۔ تاہم تجربات یہ سبق سکھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی مخلوق میں کوئی کمی رکھی ہے تو اس کی کچھ خاص وجہ ہے جسے خالق کائنات ہی سمجھتا ہے۔ اس کی مخلوق بہترین اور مکمل ہے:

ترجمہ: ''تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔'' (الملک: 4 - 3)

کاش ان محققین کو کوئی یہ سمجھائے کہ یہ آگ سے کھیل رہے ہیں۔ آج سے دو صدی قبل ہم نے ماحول کے بے جان اجزاء میں جو تبدیلی اور عدم توازن کا سلسلہ شروع کیا تھا اسے آج ہم ماحولیاتی آلودگی اور کثافت کی شکل میں بھگت رہے ہیں۔ کون جانے کہ آج ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں تبدیلی کرنے کی جو شروعات کر رہے ہیں وہ کل کس طرح کا عدم توازن پیدا کرے اور اس کی وجہ سے نہ جانے کیا نتائج مستقبل کی ان نسلوں کو بھگتنا پڑیں جو اس گناہ میں شامل بھی نہیں ہیں۔





ہزاروں خواہشیں ایسی.............

ایس۔ایم۔قیصر رضا ، نئی دہلی

انسانی نسل کی ابتداء سے دور حاضرہ تک کا تاریخی جائزہ لیں تو ہر دور میں معاشی مسائل تمام مسائل کا عنوان اور بنیاد نظر آتے ہیں۔ جدید تہذب اور پرانی تہذب کی نوعیت معاشی نقطۂ نظر سے مختلف اس اعتبار سے ہے کہ قدیمی تہذیب کے لوگوں کی ضروریات ، قدیمی طور سے موجود وسائل کے سیدھے استعمال سے پوری ہوا کرتی تھیں مثلاً زمین سے ہوئی پیداوار جیسے اناج سبزیاں ، پھل ، جنگلات کی لکڑیاں ، جانوروں کے گوشت و کھال اور پالتو جانوروں کے گوشت و دودھ وغیرہ سے ان کی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ ان وسائل کے حصول کے لیے لوگ اس دور میں مروج طریقۂ کار یعنی تکنیک استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا جب کسی علاقے میں وسائل ان کی ضرورت کے لحاظ سے کم ہونے لگتے تھے تو دوسری جگہ کی تلاش ہونے لگتی تھی اور کچھ لوگ یا تمام کے تمام افراد نئی جگہ منتقل ہو جایا کرتے تھے۔ اگر اتفاقاً کوئی دوسرا اگر وہ یا قبیلہ بھی وہاں آجائے تو پھر جنگوں کی نوبت بھی آجایا کرتی تھی اور کبھی یہ جنگ پشت در پشت چلا کرتی تھی۔

جدید تہذیب خصوصاً اٹھارھویں صدی عیسوی سے برطانیہ کے صنعتی انقلاب کے بعد ہمارے مسائل اور وسائل دونوں کی نوعیت بدل گئی۔ مسائل روٹی کپڑا اور مکان کے دائرے سے نکل کر "صارف تہذیب" (Consumerism Culture) میں پہنچ گئے جس کی میزان رہن سہن کی سطح (Living standard) ہو گیا اور وسائل زمین کی سطحی پیداوار اور مویشیوں سے آگے نکل کر معدنیات تک جا پہنچے ، جن میں سے بہت کچھ ڈھکی چھپی تھیں اور قدیمی تہذیب کی پہنچ سے باہر تھیں۔ ان وسائل کے حصول کے لیے اور انھیں اپنی ضروریات کی اشیاء میں تبدیل کرنے کے لیے جدید تکنیکیں ایجاد ہوئیں۔ ان تمام تکنیکوں اور ترقی نے ہم تمام انسانوں کو تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر پہنچا دیا ہے کہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ ہماری اگلی منزل کدھر ہے۔ ایک طرف جنگی ہتھیار کا انبار ، اسرافیل علیہ السلام کے صور کی طرح تیار ہے کہ اب پھونکا گیا تو دوسری طرف ماحولیات کا بگڑتا ہوا توازن جو دھیرے دھیرے ہمارے چاروں اطراف کرۂ باد ، پانی ، مٹی اور اس زمین پر رہنے والی تمام دیگر مخلوقات کو ہمارے خفیہ دشمنوں کی طرح تیار کرتا جا رہا ہے۔ ان حالات کے مدّ نظر ہم سوچنے کے لیے مجبور ہیں کہ کیا اس طرح کی ترقی کے لیے ہم تیار ہیں یا پھر اور کوئی دوسرا راستہ بھی ہے۔ اگر اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے تو موجودہ نسل ہلاکت کے پھندے میں پھنسی نظر آرہی ہے اور اگر ہم نہیں رہے تو آنے والی نسل کو بھیانک خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اٹھارھویں صدی سے معاشی ترقی (Economic Development) اور سماجی فلاح و بہبود (Social Welfare) کے لیے علم معاشیات کے ماہرین خصوصی طور سے کوشاں رہے ہیں الگ الگ حالات اور دور میں مختلف معاشی نظریئے اور اصولوں کے ساتھ ترقی کے ماڈل بنائے گئے جو کبھی کامیاب رہے تو کبھی ناکام۔ موجودہ دور کی ترقی ایک متنازعہ عنوان بن کر سامنے آئی ہے۔

علم معاشیات کی بنیاد انسانی فطرت اور قدرت کے خزانے (وسائل کی شکل میں) کے درمیان توازن اور عدم توازن پر مبنی ہے۔ اس علم کی رو سے انسانوں کی خواہشات لامحدود اور وسائل نسبتاً محدود ہیں۔ لہٰذا انسان اپنی تمام خواہشات کو پورا نہیں کر سکتا لیکن وسائل کو خاص انداز سے تقسیم کر کے زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس علم نے جہاں ایک طرف مانا کہ وسائل محدود ہیں ، وہیں سائنسی تحقیقات اور جدید تر تکنیک کا استعمال کر کے ان وسائل کو غیر فطری یعنی صنعتی اکائیوں کے ذریعہ کثیر الخلق (Mass Production) کی شکل میں مزید پیداوار کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش ہوتی چلی آرہی ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف تمام قدرتی وسائل خصوصاً جنگلات ، معدنیات اور



زمین کی پیداواری صلاحیت گھٹنی شروع ہو گئی ہے اور دوسری جانب ماحولیاتی توازن مثلاً کرۂ ارض و باد اور حیوانیات و نباتات کا انسانی آبادی کے ساتھ توازن ڈگمگانے لگا ہے۔

اگر ہم اپنی ترقی پر منصفانہ، غور کریں تو یہ ترقی جو ہماری خواہشات کو بلا روک ٹوک پورا کرتی ہے نہ صرف ہمارے لیے سماجی سیاسی اور اخلاقی بدحالی کا باعث ہے بلکہ ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے قدرتی خزانے کو برباد کر کے فضا، پانی اور اس زمین کو آلودہ کر رہی ہے اگر ہم بخیر و خوبی اس دور سے گزر گئے تو آنے والی نسل کے لیے قدرتی طور پر ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس طرح سے ہم اپنی ہی نسل کشی کے درپے ہیں لہٰذا ہماری ترقی کو خود غرضی کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور آنے والی نسل ہمیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ فی الحال اس مسئلے پر ترقی یافتہ ممالک کا نظریہ ہے کہ باقی پسماندہ ممالک اپنی ترقی کے ماڈل میں ماحولیاتی توازن کو بھی ایک عنصر مان کر منصوبے بنائیں یعنی ماحولیاتی دوست (Eco Friend-ly) ٹکنیک کا استعمال کریں۔ مگر کیا یہ ممکن ہے کہ اس دور میں جہاں ہر ملک اور ہر انسان ایک دوسرے سے فوقیت لے جانے کے لیے پریشان ہے ایسی ٹکنیک کا کوئی انتظار یا اہتمام کرے گا؟

رہی بات مسائل کے حل کی تو جب تک کسی مسئلے کا حل نہیں تو وہ مسئلہ نہیں ہوتا ہے جیسے موت! مگر جب کسی مسئلے کا حل نظر آئے تو مسئلہ ہے اور اس کے حل کی تلاش دقیانوسی طور سے نہیں بلکہ کھلے ذہن سے کریں تو ہمیں ضرور کامیابی ملے گی۔ اس ضمن میں قرآن کی آیات اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی سنتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اللہ نے ہمیں بے جا اصراف سے متنبہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے اللہ کے منع فرمانے کے باوجود جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے اگر ہم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو پھر ہمیں اللہ کے عذاب کا منتظر رہنا چاہیے۔

اللہ ربّ العزت نے اپنے کلام (قرآن شریف) میں متعدد جگہوں پر فرمایا ہے کہ اسے حد سے گزرنے والے پسند نہیں اور حد سے گزرنے والے کون ہیں، بے جا اصراف کرنے والے، دنیا کے اس عیش عشرت کے طالب اور دوسروں کے حقوق کو دبانے والے۔ جہاں اللہ نے اپنی ذات و صفات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے، اچھی اور بری باتوں اور اعمال کو بتانے کے لیے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو اس دنیا میں بھیجا وہیں زندگی میں کام آنے والی چیزوں اور طریقوں کو بھی انسانوں تک پہنچایا۔ مثلاً داؤدؑ کے ذریعہ لوہے کا استعمال اور سلیمانؑ کے ذریعے تانبے کے بڑے دیگ بنانے کا ہنر سکھلایا گیا ان کے علاوہ اور بہت سارے نبیوں کے ذریعے بھی اللہ نے دنیاداری کے طریقے انسانوں کو سکھلائے۔

قرآن حکیم کو اللہ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا لہٰذا کیا بعید ہے کہ موجودہ مسائل کے متعلق بھی اس میں تنبیہ و ترغیب ہو۔ مثلاً سورہ رحمٰن کی آیت ''و رفرع السمآء...... ے بالقسط والمیزانْ'' پر غور کیا جائے تو اس کا مفہوم اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے آسمان کو بلند بنا کر اس میں ایک خاص توازن رکھا ہے، تم اس توازن کو مت بگاڑو!

کیا اس توازن سے مراد وہ توازن نہیں ہو سکتا ہے جسے ہم Ecological Balance یا ماحولیاتی توازن کا نام دیتے ہیں؟ اللہ جگہ جگہ فرماتا ہے کہ ان اللہ لا یحب المعتدینْ معتدین کا مفہوم حد سے گزرنے والوں سے ہے۔ کیا یہ حد سے گزرنا نہیں ہے کہ ہم عیش طلب زندگی کے لیے اوروں کا حق یعنی جن کے پاس وسائل کی کمی ہے اور جو آنے والی نسل کا حق ہے اسے استعمال کر رہے ہیں؟ اللہ کے آخری رسول کی زندگی اور ان کی تعلیمات پر غور کریں اور اپنے طور طریقے، رہن سہن کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ہم کس حد تک اپنے دین سے دور ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی ملکیت کیا تھی اور ہم کیا چھوڑ کر جاتے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ کے ناپسندیدہ اخراجات میں پختہ مکان کے اوپر خرچ بھی تھا، ہم اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ایک اینٹ کے بنانے میں جو مٹی استعمال ہوئی اس کو بنانے کے لیے قدرت کے لاکھوں سال لگے اور ہم اسے پختہ مکان کے لیے اینٹ بنانے میں بھٹوں میں برباد کر دیتے ہیں۔ (باقی صفحہ 32 پر)



قرآن اور حیاتیاتی توازن

ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی

اللہ کی بنائی اس کائنات میں غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ اس کی ہر ہر چیز ایک نپے تلے اندازے اور نظم کے مطابق تخلیق فرمائی گئی ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خالق عظیم نے ہر چیز کو عدل پر تخلیق فرمایا ہے۔ اس ضمن میں جگہ جگہ کائنات کے اس عدل کی جانب واضح قرآنی اشارے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ رحمٰن کی آیت نمبر 4 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کی۔ اسی طرح سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر 17 کے مطابق وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے۔ مفسرین کے مطابق میزان سے مراد اللہ کی شریعت ہے جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل، راستی اور ناراستی کا فرق واضح کرتی ہے۔ ایک دوسرے مقام سورہ الاعلیٰ کی پہلی دو آیتوں میں مکرر ارشاد ہوا ہے کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ سورہ الملک کی آیت نمبر 3 میں واضح طور پر جتایا گیا کہ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی طرح کی بے ربطی نہ پاؤ گے اور اسی طرح سورہ مدثر کی آیت 31 میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی کہ کائنات ایک منظم اور محکم سلطنت ہے جس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی عیب یا نقص تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ ان مختلف ارشادات ربانی سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ عدل اور توازن ہی وہ شئے ہے جس پر اس کائنات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس لیے جب تک عدل قائم ہے تب تک ہماری یہ دنیا اور کل کائنات بھی قائم ہے اور اگر عدل بگڑتا ہے تو ہر چیز کے لیے تباہی ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی سب سے شاہکار مخلوق انسان کو اس زمین پر پیدا کرنے سے پہلے زمین کو آراستہ فرمایا اور اس کی ہر ہر چیز کو پورے عدل اور تناسب کے ساتھ تخلیق فرمادیا تاکہ آدم کی اولاد کو یہاں رہنے، بسنے اور اپنی نسلیں بڑھانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ساتھ ہی اس نے اس متناسب کائنات کو انسان کے لیے مسخر بھی فرمادیا جیسا کہ سورہ لقمٰن کی آیت نمبر 35 سے ظاہر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں۔ ظاہر ہے اب یہ انسان پر موقوف ہے کہ وہ اس متوازن کائنات کو کس طرح اپنے تصرف میں لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس عدل اور توازن کو سمجھنے کے لیے اپنی زمین پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس نے اس زمین کو ایک سیارہ بنایا اور اسے نہ صرف اپنے محور پر گھومنے کا حکم دیا بلکہ اسے 23.5 ڈگری تک جھکا کر ایک روشن اور گرم ستارے سورج کے اطراف ایک مخصوص حصار میں چکر لگانے کی ہدایت بھی فرمائی تاکہ زمین پر نہ صرف دن اور رات وجود میں آسکیں بلکہ سال کے مختلف حصوں میں موسم بھی تبدیل ہوتے رہیں۔ منجمد قطبین نہ تو پگھل کر دنیا کو غرقاب کردیں اور نہ ہی ساری دنیا منجمد ہو کر رہ جائے۔ ظاہر ہے یہ عدل اور تناسب زمین پر زندگی کو قائم کرنے کی غرض سے تھا۔ زمین اور سورج کی درمیانی دوری بھی متعین فرمائی گئی تاکہ اس سے نکلنے والی روشنی اور گرمی کا ایک مخصوص توازن زمین پر قائم رہے، نہ تو اتنی گرمی ہو جائے کہ ہر شئے جل جائے اور نہ ہی اتنی سردی کہ سب چیزیں جم کر رہ جائیں۔ یہ دونوں صورتیں زندگی کو جاری و ساری رکھنے کے لیے ناموافق تھیں۔ زمین کی فضا اور ماحول کو بھی عدل پر قائم کیا گیا تاکہ سانس لینے اور زندہ رہنے کے لیے صاف ہوا لگاتار میسر آتی رہے۔ پانی خاص مقدار میں اتارا گیا اور اس کے لیے ایک انتہائی جامع اور متوازن نظام مرتب فرمایا جس کے تحت پانی زمین سے فضا اور فضا سے زمین میں واپس آتا رہے اور زندگی کو رواں دواں رکھتا ہے۔ یہ حقیقت ہم سب پر عیاں ہے کہ کس طرح سورج کی گرمی سمندروں نیز پیڑ پودوں کی سطح سے نپے تلے پانی کو بھاپ بنا کر اوپر اٹھاتی ہے جو بادلوں کی



شکل میں فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ ان بادلوں کو ہواؤں کا متعینہ نظام ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور پھر ان کے ذریعہ مختلف علاقوں میں بارشوں کا عمل برپا ہوتا ہے جو دنیا میں حیات کا ضامن ہے۔

یہ حیات اللہ تعالیٰ نے نباتات اور حیوانات کی ان گنت شکلوں اور انواع کی شکل میں اس زمین پر پھیلا دی اور مختلف انواع کو عدل اور توازن کے ساتھ یوں باہم مربوط فرمادیا کہ اسے دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر حیاتیاتی تنوع (Biodiversity) اور اس میں موجود عدل و توازن کی طرف اشارے موجود ہیں۔ مثلاً سورہ مدثر کی آیت 31 کی تشریح بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں کیسی کیسی اور کتنی مخلوقات پیدا کر رکھی ہیں اور ان کو کیا کیا طاقتیں بخشی ہیں اور ان سے کیا کیا کام وہ لے رہا ہے، ان باتوں کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔"

اس عدل و توازن کا سائنسی تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اس زمین کا انتظام ٹھیک رکھنا ہے تو اللہ کے قائم کردہ عدل و توازن کو جاری رکھنا ہوگا۔ بہ صورت دیگر دنیا کے نظام میں بگاڑ پیدا ہوگا جو بالآخر ہمارے خاتمے کا سبب بنے گا۔

سائنسی تحقیقات کے بہ موجب ہماری زمین پر نباتات و حیوانات کی 1.5 ملین انواع موجود ہیں جن میں 0.83 ملین حشرات، 0.28 ملین دیگر جانور اور 0.24 ملین نباتات ہیں۔ بہت سے ماہرین ان اعداد و شمار سے مطمئن نہیں ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ صرف حشرات ہی کے بارے میں قیاسات ہیں کہ ان کی کل تعداد 30 ملین ہوسکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ موجودہ حشرات کا محض 20 فی صد ہی ہیں اور جب تک اس تعداد میں مزید 5 فی صد کا اضافہ ہوگا 80 فی صد حشرات ناپید ہو چکے ہوں گے۔ قرآن حکیم میں سورہ یٰس کی آیت نمبر 36 سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس آیت میں جہاں تمام چیزوں کو جوڑے جوڑے پیدا کرنے کی بات کہی گئی ہے وہیں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ جوڑے نباتات، تمہاری اپنی جنس میں اور بہت سی ایسی چیزوں میں موجود ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ چودہ سو برس میں بلاشبہ انسان نے بہت کچھ ترقی کی ہے اور اس دوران نہ جانے کتنے نئے جاندار کھوج نکالے ہیں، پھر بھی قیاس یہی ہے کہ اب بھی بہت کچھ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔

اس یقین کے بعد کہ اللہ جل وشانہ نے جو کچھ تخلیق فرمایا ہے وہ عبث نہیں بلکہ حکمت کے ساتھ ہے۔ ہمیں اپنی زمین پر موجود نباتات اور حیوانات کی بے شمار اقسام پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے جو نہ صرف ان گنت ہیں بلکہ ان سب میں ایک تعلق اور نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ ماحول میں ہر نوع کے افراد کی تعداد میں بھی ایک توازن قائم ہے۔ مشیت خداوندی کے تحت اس میں بہت حساب سے تغیر بھی واقع ہوتا ہے جو حکمت سے خالی نہیں۔ انسان اپنے بڑھتی ہوئی آبادی سے ہراساں ہے اسے ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اس تعداد پر کیونکر قابو پائے کیونکہ یہ بڑھتی ہوئی آبادی اس کی معیشت کے منافی ہے۔ عالم نباتات اور حیوانات پر نظر ڈالئے تو زیادہ تر انواع میں انسانوں کے مقابلے قوتِ افزائش کہیں زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود کسی بھی نوع کی تعداد بے حساب بڑھتی نظر نہیں آتی۔ ہر ایک نوع کی تعداد اللہ کے بنائے، ایک نپے تلے قانون کے تحت ہی بڑھتی اور گھٹتی ہے۔ اس سلسلے میں حشرات کی چند مثالیں بات سمجھنے میں مدد دیں گی۔

تتلی کی مانند ایک پروانے کی مادہ اپنی زندگی میں تقریباً دو سو انڈے دیتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اس کی تمام اولاد زندہ رہیں تو سال بھر میں ایک مادہ سے اتنے حشرات پیدا ہو جائیں گے کہ زمین کی خشکی والا حصہ 80 فٹ کی اونچائی تک بھر جائے گا۔ اسی طرح مولی شلجم پالک اور گوبی جیسی ترکاریوں کے پتوں سے چمٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے بھنگے جو انگریزی میں "ایفڈس" اور اردو ہندی میں "چیپا" کہلاتے ہیں وہ بھی اپنی تعداد بڑھانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایفڈ کی ہر مادہ تقریباً 41 بچے دیتی ہے جس سے چھ ماہ میں پیدا ہونے والے ایفڈس کی کل تعداد 1560×10^{21} تک پہنچ جاتی ہے۔ غور کریں کہ صرف ایک پروانے اور ایک ایفڈ سے پیدا ہونے والے تمام حشرات زندہ رہ



جائیں تو کیا ہو۔ شاید اس زمین پر ہمارے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ ممکن ہے یہ دلیل پیش کی جائے کہ جہاں کہیں ایسے کیڑوں کی تعداد بڑھتی نظر آتی ہے انسان مختلف طریقوں سے اسے کم کرلیتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو یہ عقل تو ابھی چند صدی پہلے ہی آئی ہے جبکہ یہ کیڑے تو لاکھوں سال سے اس زمین پر موجود ہیں اور ان تمام برسوں کے دوران اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تحت ان کا قدرتی کنٹرول ہوتا رہا ہے۔ بلا شبہ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی ہے لیکن یہ اتار چڑھاؤ کسی مصلحت کے تحت ہوتا ہے اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے انسان کی نظر محدود ہے جو اس کے اپنے مفاد سے آگے نہیں بڑھتی اس لیے وہ صرف انہی کیڑوں کو دیکھ پاتا ہے جو نقصان پہنچا رہے ہیں اور وہ ان کے انسداد کی کوشش کرتا ہے اس کے برخلاف خالقِ عظیم کی نظر اپنی ہر مخلوق پر رہتی ہے وہ سب کے مفادات کو پیش نظر رکھتا ہے۔

حال ہی میں کچھ ماہرین حشرات نے گوبی سے وابستہ تمام حشرات کا ایک غذائی خاکہ تیار کیا تھا جو بتاتا تھا کہ گوبی کی فصل پر 210 انواع کے کیڑے پلتے اور بستے ہیں۔ ان میں 4 اقسام کے کیڑے جڑ سے وابستہ تھے دس پتیاں کھاتے تھے، گیارہ پتوں کا رس پیتے تھے، 21 گوبی کے گلے سڑے حصوں پر گزارا کرتے تھے اور 69 پانی یا شکر کی تلاش میں وہاں آتے تھے 75 اقسام کے کیڑے اوپر بیان کیے گئے کیڑوں پر یا تو طفیلی تھے یا شکار خور اور 10 اقسام کے کیڑے آخر الذکر پر انحصار کررہے تھے۔ یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ محض ایک گوبی کی فصل سے نہ صرف انسان فیضیاب ہورہا ہے بلکہ 210 اقسام کے کیڑے بھی پل رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ اتار چڑھاؤ بھی آتے رہتے ہیں۔ کبھی انسانوں کا حصہ بڑھ جاتا ہے اور کیڑے کم ہوجاتے ہیں اور چند مخصوص کیڑوں کا حصہ بڑھا کر دوسروں کے حصے میں تخفیف کردی جاتی ہے مگر یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ ناپید کوئی نہ ہونے پائے۔ یہ ہے اللہ کا قائم کردہ قانون عدل و توازن۔

اس کے برخلاف انسان جب اپنی گوبی کی فصل کا معائنہ کرتا ہے تو اسے 210 اقسام کے کیڑے نظر نہیں آتے بلکہ صرف ایک یا دو وہ کیڑے نظر آتے ہیں جنھیں اللہ نے اپنی حکمت کے تحت وقتی طور پر بڑھاوا دے رکھا تھا۔ انسان اپنی کم علمی کے پیش نظر ان کیڑوں کو کسی بھی مہلک انسیکٹی سائیڈ کی مدد سے ختم کرکے اپنے منافع میں اضافہ کرلیتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ انجانے میں اس نے خدا کے بنائے اس متوازن غذائی خاکے میں کیا کچھ بگاڑ پیدا کردیا ہے۔ وہ بالکل اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ اس نے نقصان پہنچانے والے کیڑے تو صرف 80یا90 فیصد ہی مارے تھے لیکن انکے طفیلی اور شکار خور کیڑے سو فیصد ختم کرڈالے تھے اگلے سال دس یا بیس فی صد نقصانده کیڑے طفیلی اور شکار خور کیڑوں کی عدم موجودگی میں جو تباہی مچائیں گے اسے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے ممکن ہے کچھ نئے کیڑے بھی اس نقصان میں شامل ہوجائیں کیونکہ وہ بھی طفیلی اور شکار خور کیڑوں سے نجات پاچکے ہیں۔ اس صورت حال میں انسان کے پاس بس ایک ہی علاج باقی رہتا ہے وہ یہ کہ بار بار زہریلے انسیکٹی سائیڈس کا استعمال کرتا رہے اس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گوبی کا غذائی خاکہ تہس نہس ہوجاتا ہے گوبی زہریلی ہوجاتی ہے اور ماحول آلودہ۔

اوپر بیان کیے گئے عمل کا ایک تاریک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کیڑے پر لمبے عرصے تک کسی انسیکٹی سائیڈ کا چھڑکاؤ ہوتا رہتا ہے تو وہ اس کے خلاف قوّت مدافعت پیدا کرلیتا ہے۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ تقریباً 200 اقسام کے کیڑوں میں قوّت مدافعت پیدا ہوچکی ہے اس نئی صورت حال کے تحت مزید مہلک انسیکٹی سائیڈس کی تیاری عمل میں آتی ہے اور ہمارا ماحول خراب سے خراب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیا آپ باور کریں گے کہ DDT جیسا پر اثر انسیکٹی سائیڈ جس نے بے شمار قسم کے کیڑوں کو ختم کرڈالا تھا اور جس کے لیے جرمن سائنس داں پال ملر کو نوبل پرائز دیا گیا تھا، آج ممنوع قرار دیا جاچکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وقت کے ساتھ ممنوع انسیکٹی سائیڈس کی فہرست طویل ہوتی چلی جارہی ہے۔

ایک لمبے عرصے تک انسان کبھی جان کر اور کبھی انجانے

(باقی صفحہ 40 پر)



صوت الحمیر

شاہد رشید۔ وروڈ (امراوتی)

ٹرن......ٹرن......ٹرن......ٹرن......

”ہیلو......“

”میں راحیل خاں سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”ہیلو...... میں راحیل خاں ہی ہوں...... آپ کون ہیں؟“

”میں نیو انگلش ہائیر سیکنڈری اسکول کی پرنسپل ہوں۔ آپ کی لڑکی فرزانہ جو ساتویں جماعت کی طالبہ ہے، کلاس میں بے ہوش ہو کر گر پڑی ہم نے اسے ڈاکٹر راجورکر کی کلینک میں داخل کیا ہے۔ آپ فوراً وہاں پہنچیے۔“ فون کٹ گیا۔

راحیل نے وقت ضائع کیے بغیر اپنا اسکوٹر باہر نکالا۔ اور رمن گارڈن کے پاس ڈاکٹر راجورکر کی کلینک کی طرف روانہ ہوا۔ روی نگر کے چوراہے پر ٹریفک پولیس کے سپاہی نے رکنے کا سگنل دیا۔ راحیل چاہتا تھا کہ سپاہی کی سیٹی کو نظر انداز کر کے نکل جائے کہ اس نے دیکھا کہ ٹریفک انسپکٹر اپنی موٹر سائیکل کو کک لگا رہا ہے۔ لامحالہ راحیل کو رکنا پڑا راحیل نے بہت عاجزی کے ساتھ ٹریفک والوں سے درخواست کی کہ اس وقت وہ بہت جلدی میں ہے اس کی بیٹی اسپتال میں زیر علاج ہے لیکن فرض شناس انسپکٹر کچھ سننے کو تیار نہیں تھا اس نے کہا کہ ایک تو آپ ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کر رہے تھے اس سے بھی بڑا جرم یہ ہے کہ آپ کی گاڑی کا سائلینسر پھٹا ہوا ہے اس میں سے کثیف دھواں اور کانوں کو پھاڑ دینے والی آواز نکل رہی ہے نہیں صاحب نہیں...... میں آپ کو کسی صورت میں چھوڑ نہیں سکتا۔ آپ انسانیت کے مجرم ہیں۔ آپ کو اپنی ایک بچی کی فکر ہے۔ لیکن آپ کا اسکوٹر کتنا ماحول خراب کر رہا ہے اس کی آپ کو فکر نہیں ہے۔ آپ کے اسکوٹر کی مکروہ آواز نے نہ معلوم کتنے افراد کو بے اطمینانی، بدمزگی اور ذہنی تناؤ میں مبتلا کر دیا ہو گا۔

راحیل نے بہت منت سماجت کی تب انسپکٹر پگھلا، اس نے کہا ٹھیک ہے آپ کو اسکوٹر لے جانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن کل آپ پانچ سو روپے چالان کے بھر دیں تب ہی آپ کو گاڑی کے کاغذات واپس ملیں گے۔

راحیل بڑی مشکل سے جان چھڑا کر ہاسپٹل کی طرف دوڑا، اسپتال پہنچنے پر اسے یہ مژدہ سنایا گیا کہ فرزانہ ہوش میں ہے۔ اس سے ملا جاسکتا ہے۔ راحیل دوڑتے ہوئے بیٹی کے کمرے میں پہنچا۔ وہاں اس کی پرنسپل اور استانی دونوں موجود تھیں ڈاکٹر نے آرام کا مشورہ دے کر چھٹی دے دی۔ راحیل کو استانی نے بتایا کہ یہ بچّی ہمیشہ سر درد اور چکّر آنے کی شکایت کرتی ہے۔ آپ اس کا خاطر خواہ علاج کروائیے۔ یہ بات سن کر راحیل کو بڑی شرمندگی ہوئی وہ سوچنے لگا لوگ کیا خیال کرتے ہوں گے ؟ کیسا غیر ذمّہ دار باپ ہے۔ راحیل نے پرنسپل اور استانی کا شکریہ ادا کیا اور فرزانہ کو گھر لے آیا لیکن گھر آنے کے تین چار گھنٹے بعد ہی فرزانہ کی طبیعت بگڑنے لگی اسے شدید سر درد، گھبراہٹ، متلی اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ ڈاکٹر سے رجوع کرنے پر اس نے دوبارہ اسے اسپتال میں داخل کرلیا۔ اب تو راحیل اور سلطانہ دونوں گھبرا گئے۔ سلطانہ نے اپنے میاں سے کہا ”دیکھئے گاؤں فون کر کے ابو اور امّی کو بلوا لیجئے۔ فرزانہ اپنی دادی اور دادا دونوں سے بہت ہلی ہوئی ہے۔“

دونوں دادا، دادی پوتی کی بیماری کی خبر پاکر بے چین ہوگئے۔ شہر پہنچ کر دونوں اسپتال پہنچے۔ فرزانہ اپنے دادا ابو سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔ روتے روتے اس نے کہا دادا ابو اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ آپ مجھے گاؤں لے چلئے، میں گاؤں کے اسکول میں پڑھوں گی۔ یہاں میرا دل بہت گھبراتا ہے۔

ہاں۔ ہاں! تم ٹھیک ہو جاؤ، ہم اپنے ساتھ لے چلیں گے۔ دادا ابو سوچنے لگے کہ بچّی کے اس قدر وحشت زدہ ہو جانے کی وجہ آخر کیا ہے؟ فرزانہ کی بیماری کی وجوہات بتانے



میں ڈاکٹر بھی ناکام رہے۔ لیکن اس بار اس نے چھٹی دینے میں جلدی نہیں کی۔ اسپتال کے پر سکون ماحول میں فرزانہ کی طبیعت تیزی سے سنبھلنے لگی۔ تیسرے دن دادا فرزانہ کے ساتھ گھر آئے تو انھیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فرزانہ کی بیماری کا راز کیا ہے۔ راحیل کا فلیٹ بالکل لبِ سڑک تھا۔ سڑک سے گزرنے والی موٹر گاڑیوں کا شور، تیز ہارن کی آواز، پڑوس سے آنے والی ہائی فائی اسٹیریو کی کانوں کو پھاڑ دینے والی آوازوں کی وجہ سے گھر کا ہر فرد اونچی آواز میں بات کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سیریل یا نیوز دیکھتے وقت ٹی وی کی آواز بھی اونچی رکھی جاتی تھی۔

رات کے کھانے پر دادا ابو نے اپنی بہو کو مخاطب کر کے کہا" بھئی سلطانہ تمہیں احساس بھی ہے تم نے فلیٹ کہاں لے لیا ہے نیچے سڑک پر موٹر گاڑیوں کی تیز آواز لگاتار آتی رہتی ہے۔ بازو سے آنے والی ہائی فائی اسٹیریو کی آواز تمہارے کپڑے دھونے کی مشین، گرائنڈر، مکسر، ویکیوم کلینر وغیرہ کی آوازیں تم سب کی سماعت پر خراب اثرات ڈال رہی ہیں۔ فرزانہ کی بیماری کی وجہ بھی مجھے یہ شور ہی لگتا ہے۔"

"ابو کیا کریں، اس شہر میں اپنی مرضی کا مکان ملنا بہت مشکل کام ہے۔" سلطانہ نے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن کم از کم شور کم کرنے کے طریقے تو اختیار کیے جاسکتے ہیں" دادا ابو نے کہا۔

"ہاں ابو! اسی خیال سے میں نے پڑوسن سے بات کی تھی مگر انھوں نے مجھے ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ ہمارا گھر ہے، ہم اپنے گھر میں کچھ بھی کریں، آپ کون کوتے ہیں روکنے والے۔" سلطانہ نے کہا۔

"اچھا، کل میں ان لوگوں سے بات کروں گا۔" دادا ابو بولے۔ ہاتھ دھوتے ہوئے دادی امی گویا ہوئیں:

"آپ بھی کیا بچوں کی سی بات کرتے ہیں۔ کیا شور سے چکر آتے ہیں؟ سر درد ہوتا ہے؟ بے ہوشی آتی ہے؟"

دادا ابو کبھی دادی امی کی نفی نہیں کرتے تھے۔ مگر اس وقت انھوں نے خاموش رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ انھوں نے کہا:

"راحیل کی اماں! شور کو تم کم مت سمجھو۔ اس سے ان سب کے علاوہ بلڈ پریشر بھی بڑھتا ہے، چڑچڑاپن اور بے خوابی کی شکایت ہوتی ہے، خون دوران، دل کی دھڑکن، یادداشت اور دماغی صلاحیت متأثر ہوتی ہے، پر سکون ماحول میں کوئی کام آپ جتنی آسانی سے کر سکتی ہیں، شور میں نہیں کر سکتیں۔"

"اوئی...... یہ بات ہے"۔ دادی امی نے کہا...... "تو یہ شادی بیاہ میں اتنا ہنگامہ ہوتا ہے، ٹیپ، لاؤڈ اسپیکر اور ڈھول تماشے ہوتے ہیں۔ اس سے تو کچھ نہیں ہوتا؟"

کیا تم نے ایسے موقعوں پر بعض اوقات لڑکیوں یا دلہنوں کو بے ہوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟" دادا ابو بولے۔

"ہاں! دیکھا تو ہے۔ تو کیا اس کی وجہ بھی یہی شور ہے؟" دادی امی بولیں۔

"یقیناً......"

"اوہو! اور ہماری ضعیف الاعتقادی تو دیکھو، اس کو ہم جن، بھوت، اوپر کا اثر ہو گیا، جادو ہو گیا، کسی نے کر دیا اور نہ معلوم کن کن باتوں سے نوازتے ہیں۔" دادی امی بولیں۔

"اور امی! وہ جو اپنے پڑوسیوں کے یہاں گاؤں میں رات رات بھر لاؤڈ اسپیکر پر میلاد اور بھگوتی جاگرن ہوتا ہے، کیا خدا اسی سے خوش ہوتا ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ "اگر لوگ مذہبی رسموں کو خاموشی سے انجام دیں تو شور کی آلودگی سے بچا جاسکتا ہے۔"

رامو کاکا، دادا کے پشتینی خادم بھی دستر خوان پر کھانے میں شریک تھے۔ انھوں نے کہا:

"بی بی جی! آپ لوگ بہت دیر سے بیکار کی بحث کر رہے ہیں۔ آخر شور کہتے کسے ہیں؟ کیا انسان گانا نہ سنے؟ سنگیت نہ سنے؟ طبلہ، شہنائی، ستار کا بجانا تو کلا ہے۔"

"سنو رامو!" دادا ابو بولے: وہ تمام آوازیں جو ہمارے کانوں کو بھلی معلوم نہ ہوں، شور کہلاتی ہیں۔ ایک شخص جو موسیقی کا دلدادہ ہو، ساز کی آواز اس کے لیے مسرت کا



سبب ہو سکتی ہے۔ لیکن دوسرا شخص جو موسیقی کے رموز سے واقف نہ ہو، اسے سازوں کی آواز خوشی مہیا نہیں کر سکتی اور وہ شور کے زمرے میں آتی ہے۔ اس لیے آوازیں ہمیشہ قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ آواز کی باقاعدہ لہریں جو آپس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں، شور کہلاتی ہیں۔"

رامو کاکا بولے "لیکن باؤجی! انسان آخر کتنی آواز سنے اور شور پر قابو پائے بھی تو کیسے؟"

"آواز کو ڈیسی بیل کے پیمانے پر ناپتے ہیں۔ اسے db کہتے ہیں۔ 60 db سے زیادہ کی آواز ہماری صحت پر اچھے اثرات نہیں ڈالتی۔ عام بول چال کی آواز 15 سے 20db ہوتی ہے۔ تیز ریکارڈ پلیئر کی آواز 70db، ٹائپ رائیٹر اور کسی بڑے آفس کی آواز 60db، موٹر گاڑیوں کے ہارن کی آواز 100db ہوتی ہے۔ db 85 کے آس پاس کی لگاتار آوازیں مستقل بہرا پن پیدا کر دیتی ہیں۔ موٹر گاڑیوں، ڈرل مشین، مکسر، گرائنڈر، کپڑے دھونے کی مشین میں سائلینسر لگے ہونا چاہئیں۔ کچھ انسولیٹنگ (Insulaing) مادّے آتے ہیں جو آواز کو باہر نکلنے سے روکتے ہیں۔ اس لیے اچھی کمپنی کی کم آواز کرنے والی اشیاء خریدنی چاہئیں۔" دادا ابو بولے۔

راحیل نے کہا۔ "اشیاء خریدنے میں ہمارا نقطہ نظر پیسے بچانا ہوتا ہے۔"

"پیسے بچانا تو اچھی بات ہے۔" دادا ابو بولے۔۔۔ آج کل گلا کاٹ مسابقت ہے۔ اس لیے کمال ہوشیاری سے اچھی اور ٹکاؤ چیزیں خریدنی چاہئیں۔ اسی لیے قرآن پاک میں بھی اونچی آواز کی مذمت آئی ہے۔ حکیم لقمان کی اپنے بیٹے کو نصائح میں ہے (ترجمہ) اور اپنی آواز کو پست کیا کر کہ سب آواز سے بری آواز گدھے کی ہے۔ (43-2-21) قرآن نے شور کو صوت الحمیر کہا ہے

"ہاں ابو! بات چیت بھی ہمیشہ پست آواز میں کرنی چاہئے۔ مگر اپنے گھر کے ماحول کی وجہ سے مجھے آفس میں بھی اونچی آواز سے بولنے کی عادت ہو گئی ہے اور بعض اوقات تو مجھے اسی وجہ سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔"

"ہاں یہ صحیح ہے عادت ایک بار غلط پڑ جائے تو مشکل سے چھوٹتی ہے۔" دادا ابو بولے۔

شرجیل پر رات کی بات چیت کا کافی اثر تھا۔ صبح میں وہ ناشتہ کی میز پر خاموش ناشتہ کر رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ دادی امی نے سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا۔

"کیوں بیٹے کیا تمہارا جی اچھا نہیں ہے؟"

"نہیں دادی امی! میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔"

"پھر کیا سوچ رہے ہو؟" دادی ابو بولے۔

"سوچ رہے ہوں گے، دادی امی آ گئی ہیں، اسکول جائیں کہ نہ جائیں۔" سلطانہ نے کہا۔

"دلہن تم بس بچّے کے پیچھے پڑ جاتی ہو۔" دادی امی نے کہا۔ "آج اگر وہ اسکول نہیں گیا تو کیا قیامت آ جائے گی۔"

"نہیں دادی امی! آج میں اسکول ضرور جاؤں گا۔"

"دیکھو میرا شرجیل کتنا سمجھدار ہو گیا ہے۔ پہلے میں یہاں آتی تھی تو وہ اسکول نہ جانے کی ضد کرتا تھا، آج خود اسکول جانے کو کہہ رہا ہے۔"

"نہیں دادی امی، یہ بات نہیں ہے۔" فرزانہ نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"دراصل رات کی بات چیت کا بہت مواد ان کے پاس جمع ہو گیا ہے۔ اپنے دوستوں پر اپنی علمیت کا سکّہ جمانا چاہتے ہوں گے۔"

شرجیل نے سب کی آنکھ بچا کر فرزانہ کو مکّہ دکھایا جسے دادا ابو نے دیکھ لیا۔

نہیں شرجیل، نہیں۔۔۔ بری بات ہے۔"

"نہیں دادا ابو! آپی ہمیشہ میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہیں۔"

وہ دادی امی آپ کیا کہتی ہیں۔ "بڑی تو کھڑی......"

"بڑی تو بڑی میری ایک ٹانگ کھڑی۔" دادی امی نے جواب دیا۔

"دیکھو بیٹے عام بول چال میں بھی فصیح اور مروج محاورے استعمال کرنا چاہئے۔" دادا ابو بولے۔ "تم اس کے



بدلے۔۔۔ آب کش بہ کف گیر میگہ ہفتاد کلاح داری 'یا 'من خوب می شناسم پیران پارسا' جیسے محاورے بھی استعمال کر سکتے ہو .اچھا شرجیل تم اسکول کی تیاری کرو اور بازو والے انکل ہوں تو ان سے کہو کہ ہمارے دادا ابو آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

شرجیل نے واپس آکر اطلاع دی کہ انور انکل کسی مہمان کے ساتھ بیٹھے ہیں اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔

دادا ابو کے پہنچنے پر انور اور مہمان نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ انور نے اپنے مہمان کا تعارف دادا ابو سے کرایا کہ یہ اس کے کزن اکرام ہیں اور یہاں سلونی اسپتال میں ٹرانسفر ہو کر آئے ہیں۔ دادا ابو نے بھی اپنا تعارف کرایا کہ وہ جونیئر کالج کے پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر اپنے آبائی وطن میں سکونت پذیر ہیں۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دادا ابو جلد ہی اپنے مطلب کی باتوں پر آگئے۔ انھوں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ شور سے ان کی پوتی کس طرح متاثر ہوئی۔

ڈاکٹر نے دادا ابو کی تائید کرتے ہوئے بتایا کہ شور انسانی صحت پر بہت برے اثرات ڈالتا ہے۔

دادا ابو نے پوچھا: مثلاً۔۔۔؟"

"مثلاً یہ کہ تیز آواز سے اندرونی کان متاثر ہوتا ہے۔ اس سے دھیرے دھیرے قوّت سماعت متاثر ہوتی ہے۔ ایسا مریض شروع میں الفاظ کو غیر واضح شکل میں سنتا ہے۔ اگر آپ 'وطن' کہہ رہے ہیں تو وہ 'تن' سنتا ہے، اگر آپ 'چمن' کہیں تو وہ 'من' سنے گا۔ بعد میں وہ کہے گا، میں سنتا ہوں مگر میں سمجھ نہیں سکتا۔ کانوں میں سیٹیاں بجنا بھی آواز کی آلودگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کان پر بدترین اثر Acoustic Trauma کہلاتا ہے۔ یہ بہت تیز آواز کی وجہ سے کان کا پردہ پھٹ جانے کے وجہ سے ہوتا ہے۔"

"اچھا، آواز کی آلودگی کے اور برے اثرات بھی پڑتے ہیں؟" دادا ابو نے پوچھا۔

جانوروں پر تجربات کرنے سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی ہے کہ 100db کی لگاتار آوازوں سے ان میں کلسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ جو لگاتار اونچی آوازوں میں اپنا کام انجام دیتے ہیں، ان کے کام کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ وہ جلد برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جو بلڈ پریشر اور دل کی بیماریوں کا سبب ہے۔ خاموشی توانائی کے جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ زیادہ بولنے والا اپنی توانائی کو بے جا استعمال کرتا ہے۔ اس توانائی کو وہ دوسرے خیر کاموں میں استعمال کر سکتا ہے۔"

تمام لوگ منھ کھولے تعجب سے ڈاکٹر صاحب کی باتیں سنتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ بہت تیز آواز سے عصبی نظام (Nervous System) متاثر ہوتا ہے۔ خون کی نالیاں اسی نظام کے تابع ہوتی ہے۔ تیز آواز کی وجہ سے وہ زیادہ سکڑ جاتی ہیں۔ اسے طبّی اصطلاح میں (Vaso Constriction) کہتے ہیں۔ یہ بات حالتِ خواب میں بھی ہو سکتی ہے۔ پیٹیوٹری غدود سے خارج ہونے والا ہارمون (ACTH) خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے ذہنی تناؤ، گھبراہٹ اور اعصابی کمزوری (Nervousness) ہو جاتی ہے۔"

ڈاکٹر کی بات سن کر بیگم انور ایک دم بول پڑیں" میں تو آواز کو بہت معمولی چیز سمجھتی تھی، یہ تو بہت خطرناک ہے۔"

"ہاں بہت خطرناک اور اسے قابو میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اور آپ اپنے گھر سے آوازوں کو نہیں نکلنے دیں گے۔ کم آواز سے ریڈیو ٹیپ ریکارڈ بجائیں گے۔ مگر دوسروں کو کیا کریں؟ یہ سڑک سے آنے والے شور کا کیا کریں؟ یہ تو گھر بیٹھے ہمیں پریشان کرتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"دیکھئے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ سب پوری کالونی کے لوگ ملکر ایک ایکو کلب (Eco Club) بنائیں۔" دادا ابو نے تجویز پیش کی۔ "آواز کی آلودگی کے نقصانات لوگوں کو بتائیں ڈاکٹر صاحب کا لکچر اس میں کروائیں۔ دوسری بات سڑک کی طرف آنے والے شور کو کم کرنے کے لیے کالونی کے چاروں طرف حدِ فاصل (Buffer Zone) بنوائیں......"

"یہ حدِ فاصل کیا ہوتا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"حدِ فاصل ہم اسے کہیں گے جو آپ کے کالونی اور



سڑک کے درمیان حائل ہو کر آواز کی آلودگی کو کم کرے۔۔"

انور حیران ہو کر۔۔۔"یہ کس چیز کی بنی ہوگی،"

دادا ابو مسکراتے ہوئے۔۔۔"آپ اپنی کالونی کے چاروں طرف پودے لگادیں۔ ان کی حفاظت کریں۔ یہ پودے بڑے ہو کر بفر زون کا کام کریں گے۔ اور آواز کی آلودگی کو کم کریں گے۔ کیونکہ پیڑ پودے آواز کی لہروں کو جذب کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر۔۔۔"اس سے آواز کی ہی آلودگی کم نہیں ہوگی بلکہ ہوا کی آلودگی بھی کم کرنے میں مدد ملے گی۔ آپ آنے والی نسلوں کی بھلائی کا انتظام کرکے جائیں گے۔ ایک حدیث ہے: (ترجمہ) تم میں بہترین وہ ہے جو دوسروں کے لیے نفع رساں ہو۔"

شام میں راحیل گھر آئے تو دادا ابو نے پوچھا:

"آج بہت دیر ہو گئی؟"

"ہاں ابو...... راستے میں انور صاحب مل گئے تھے وہ ایک ایکو کلب بنانا چاہتے ہیں تاکہ ہم سب مل کر آواز اور ہوا کی آلودگی کو قابو میں کرنے کے لیے کام کریں۔ ہم نے سوچا ہے کہ اس کالونی کے داخلی دروازہ پر ایک بورڈ آویزاں کریں جس پر لکھا ہو...... ہر تیز آواز صوت الحمیر ہے'۔ اس سے بچیے۔

بقیہ : اداریہ

چاہتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ یہ کیا کام ہے اگر ہم انسان کو زمین پر خلیفہ بنانے اور اسے علم عطا کرنے کی مصلحت پر غور کریں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔ خلیفہ ہونے کے ناطے انسان کی ذمہ داری محض بندگی، عبادت ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق کام کرے۔ یہ ہدایت ہمیں کلام پاک سے حاصل ہوتی ہے۔ تاہم یہاں ایک اور قابل غور نکتہ ہے جس کی وضاحت ایک مثال کی مدد سے کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی کارخانہ یا انڈسٹری ہے اور اس کا مالک یا منیجر اپنا کوئی نائب مقرر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس کارخانے کے انتظام کو دیکھے تو وہ منیجر سب سے پہلے اپنے نائب کو اس کارخانے کے نظام کو سمجھائے گا، اس کا علم دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ زمین بطور اپنے نائب سونپی ہے تو لازمی ہے کہ ہم اس زمین اور اس پر کارفرما مظاہر قدرت کا علم حاصل کریں۔ یہ علم ہم کو سائنس اور جدید علوم کو سیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ اگر ہم اس کارخانے میں جاری و ساری مظاہر فطرت کا علم ہی نہیں رکھیں گے تو بھلا اس کی حفاظت اور اس کا نظم کیونکر سنبھالیں گے۔ یہی وہ "علم الاشیاء" ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو عطا کیا تھا، آج اگر ہم ان سے منھ موڑتے ہیں تو کیا ہم کفران نعمت، ناشکری اور مشیت خداوندی کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ کیا اس عظیم الشان کارخانۂ قدرت کا نائب یا خلیفہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جسے اس کارخانے میں کام کررہی مشینوں اور قوتوں کا علم ہی نہ ہو؟ ہرگز نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اس کارخانے کا علم رکھے گا وہی اس کا خلیفہ بنے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بیشتر مقامات پر خطاب علم رکھنے والوں، عقل رکھنے والوں اور فکر کرنے والوں سے کیا ہے۔

ماحول ہماری زمین کا ایک اہم حصہ ہے، جس سے سبھی جانداروں کی صحت و سلامتی کا براہ راست تعلق ہے۔ آج اس کی اصلاح کی آواز ان اقوام کی طرف سے آرہی ہے جو اگرچہ کلام پاک کی ہدایت سے محروم ہیں تاہم علم حاصل کر کے اس زمین اور اس کے ماحول کے توازن کو اور اس میں چھپی سب کی بقا کو سمجھ چکے ہیں۔ بطور خیر امت، بطور اہل قرآن، بطور مسلم کیا ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اس اصلاح کاری میں شامل ہوں۔ اگرچہ اس کی پہل، اس کی شروعات ہماری جانب سے ہونا چاہیے تھی اور یقیناً ایسا ہوتا بھی اگر ہم اللہ کے بخشے ہوئے علوم کو "دنیوی علوم" کہہ کر ان سے کنارہ کش نہ ہو گئے ہوتے، تاہم اگر ہم پہل نہ کرسکے تو لبیک تو کرسکتے ہیں۔ آدم کی اولاد زمین پر خلیفہ ہے لیکن ہدایت کا سرچشمہ تو ہمارے پاس ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم نہ صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم کی مدد سے اس زمین اور کائنات کے نظام سے واقف ہوں، بلکہ کلام پاک کی روشنی اور ہدایت کی مدد سے نہ صرف ان کی اصلاح کریں بلکہ دیگر اہل علم اقوام تک یہ ہدایت بھی لے جائیں۔ یہی ہماری ذمہ داری ہے اور اسی کام کے واسطے ہم کو اس امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔



تحفظ ماحول: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

پروفیسر محمد اجمل (اے ایم یو) علی گڑھ

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں بہت تیزی سے صنعتی ترقی ہو رہی ہے۔ تاہم ترقی کے ساتھ ساتھ یہ صنعتیں ایک طرف تو انسان کی زندگی کو خوبصورت اور پر کشش بنا رہی ہیں مگر دوسری طرف اس کی زندگی کے لیے خطرات بھی پیدا کر رہی ہیں۔ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انسان کو جن اشیاء کی ضرورت پڑی اس نے ان کو ایجاد کر لیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ مگر اس صنعتی ترقی سے یہ کہاوت بالکل الٹ گئی ہے۔ اب ایجادات ضرورت کے لیے نہیں ہو رہی ہیں بلکہ ایجادات کے لیے ضروریات پیدا کی جا رہی ہیں اس لیے اب اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایجاد ضرورت کی ماں ہے۔ ان ایجادات کا جو برا اثر ہمارے ماحول پر پڑ رہا ہے شاید ابھی اس کا پورا احساس نہیں کیا گیا ہے۔ جدید صنعتوں کی وجہ سے ہوا اور پانی میں آلودگی روز افزوں بڑھ رہی ہے۔ اس وقت بھی اگر صاف پانی پینے کو اور صاف ہوا سانس لینے کو مل جائے تو یہ خداوند کریم کی ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ جتنا وقت گزرتا جا رہا ہے پانی اور ہوا میں اتنی ہی آلودگی بڑھتی جا رہی ہے۔

اگر انسان اپنی زندگی کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرآن اور حدیث سے کچھ سبق لے کر گزارتا تو حالات قطعاً خراب نہیں ہوتے۔ مگر افسوس کہ آج ہم صاحب قرآن ہوتے ہوئے بھی اس کے معنی مفہوم سے بے بہرہ، لاپروا یا بے حس ہیں۔ جب ہم اس پر عمل پیرا نہیں ہیں تو بھلا دوسروں کو اس طرف کیونکر راغب کریں گے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ آنے والا کل خطرناک سے خطرناک تر ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام ایک مکمل طریقہ حیات کا نام ہے۔ جس میں پیدائش سے قبر میں جانے تک ہر ایک قدم پر کیا کرنا چاہیے اور کیسے کرنا چاہیے اس کا طریقہ موجود ہے۔ انسان کے اس سرزمین پر آنے سے پہلے ماحول نہایت صاف ستھرا، خالص، خوبصورت اور صحت مند تھا مگر حضرت انسان کے زمین پر تشریف لاتے ہی اس میں آلودگی شروع ہو گئی اور جیسے جیسے انسان کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا، یہ آلودگی بھی بڑھتی گئی اور اس کے نتیجے میں جو حال ہوا ہے ہم سب کے سامنے ہے۔ اس سے یہ بات قطعی ثابت ہے کہ قدرت نے انسان کے لیے صاف ہوا، صاف پانی اور صاف زمین بنائی ہے اور اس نظام میں ایک حد تک خود کو صاف کرنے کی طاقت بھی ہے لیکن انسان تو ہر معاملے میں حد سے تجاوز کرتا جا رہا ہے جس سے وہ خود اپنی زندگی کے لیے خطرات پیدا کر رہا ہے اور اس کو مشکل بنا رہا ہے

ماحول کے توازن کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے: ترجمہ: "اللہ نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو قوت گویائی دی، سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلائے۔ پودے اور پیڑ اس کے مطیع ہیں اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔" (سورہ 55 آیت 8)

ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل، پاک و صاف ماحول پیدا کیا جس میں سورج اور چاند زمین اور آسمان بنائے اور انسان کو متنبہ کیا کہ اس توازن کو نہ بگاڑو۔ مگر خود غرض انسان نے اس کو نہ سنا اور نہ اس پر عمل کیا اس کا نتیجہ آئے دن ہمارے سامنے آتا رہتا ہے۔ کبھی تو جاپان میں پارہ زہر پھیلنے سے مچھلیوں کی تباہی کی صورت میں، کبھی بھوپال میں زہریلی گیس کے پھیلنے سے ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی موت اور ان کے معذور ہو جانے کی شکل میں۔

پانی اور زندگی کا بہت گہرا تعلق ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں اس کے متعلق قرآن میں اس طریقے سے آتا ہے:



(ترجمہ)"کیاان کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار شئے کو پیدا کیا" (سورہ 21 آیت 30)

"اور اللہ تعالیٰ ہی نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پھر ان میں بعض تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں ہیں وہ دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو چاروں پیر پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورہ 24 آیت 45)

ان آیات سے پانی میں رہنے والی جاندار اشیاء کا پتہ چلتا ہے اس میں کچھ جانور تو ایسے رہتے ہیں جو کہ نظر آتے ہیں اور کچھ ایسے چھوٹے چھوٹے جاندار ہوتے ہیں کہ جو آنکھوں سے نظر بھی نہیں آتے۔ یہ جاندار پانی کو صاف رکھنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگر پانی میں کوئی گندگی ڈالی جائے جیسے کوئی مرا پودا پانی میں ڈالا جائے یا اس میں کوئی چھوٹا موٹا مرا ہوا جانور ڈال دیا جائے تو یہ چھوٹے چھوٹے خوردبینی جاندار (Microbes) اس کی گندگی کو کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ اور پانی میں حل پذیر کیمیائی مادّوں میں بدل دیتے ہیں اس سے پانی صاف ہو جاتا ہے اور اس کی گندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ پانی کی خود صفائی کی قوت ہے جو کہ قدرتی نظام میں موجود ہے۔ اس نظام پر غور کیجئے تو قدرت کے کمال اور نظامِ قدرت کے مکمل ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ پانی ہم کو بارش کے ذریعہ ملتا ہے اور بارش کا پانی سب سے زیادہ صاف ہوتا ہے یہ پانی دریاؤں میں بہتا ہے اور جھیلوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ دریاؤں سے یہ پانی سمندر میں پہنچتا ہے جب تک یہ پانی زمین پر رہتا ہے اس میں آلودگی بڑھتی جاتی ہے۔ بارش کے پانی کے متعلق قرآن میں آتا ہے۔ (ترجمہ) "......پھر آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے......" (سورہ 25 آیت 47) اس آیت میں بارش کے پانی کی صفائی اور پاکی بتائی گئی ہے۔ ایک جگہ اور قرآن میں بارش کے پانی کے متعلق کہا گیا ہے: ترجمہ "اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی تاکہ اس کے ذریعہ سے غلّہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں۔" (سورہ 78 آیت 13)

ہم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ بارش سے زمین کی زرخیزی میں اضافہ ہو جاتا ہے اس میں کارفرما نظام قدرت پر غور کیجئے تو حیرانی ہوتی ہے۔ بارش کے زمانے میں جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو اوپر فضا میں درجہ حرارت بڑھتا ہے۔ اس درجہ حرارت پر ہوا میں موجود نائٹروجن اور آکسیجن آپس میں عمل کرتے ہیں اور نائٹروجن کے آکسائیڈ پانی کے ساتھ مل کر پودوں کی بہترین خوراک بناتے ہیں۔ اور زمین پر گر کر جذب ہو جاتے ہیں اور پیڑ پودوں کی نشوونما کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے بارش کے پانی کو زندگی دینے والا پانی کہا ہے۔ سخت گرمی کے بعد جب بارش ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ خشک وویران زمین کس قدر ہری بھری ہو جاتی ہے اور واقعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارش نے ہم کو زندگی بخشی ہے۔ بارش کے نہ ہونے سے انسان کتنا مایوس ہوتا ہے اور پیڑ پودے مرجھائے ہوتے ہیں، چرند وپرند پریشان ہوتے ہیں بارش ہونے سے سب جاندار خوش ہو جاتے ہیں، پیڑ پودوں پر ہریالی چھا جاتی ہے۔

آلودہ پانی، حضور ﷺ نے اس پانی کو بتایا ہے جس کا رنگ بدلا ہو، مزہ خراب ہو اور اس میں بدبو آتی ہو (بخاری شریف)

تالاب کے پانی کے متعلق امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر اس میں اتنا پانی ہو کہ اس کے ایک کنارے پر کوئی پتھر ڈال کر لہریں بنائی جائیں اور وہ دوسرے کنارے تک نہ پہنچیں تو ایسے تالاب کا پانی صاف ہوگا۔ اور اگر اس میں جانوروں کا فضلہ ڈال بھی دیا جائے تو بھی تالاب کا پانی صاف ہوگا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ پانی میں خود کو صاف کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور یہ طاقت پانی کی مقدار پر منحصر ہے اگر پانی زیادہ ہوگا تو اس کی یہ طاقت بھی زیادہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس تالاب کا پانی جس کی لہریں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک نہ پہنچ سکیں صاف ہوگا۔ اور یہ بات ممکن تب ہی ہوگی جب کہ اس میں پانی کی مقدار زیادہ ہوگی۔

ہوا کی آلودگی اس وقت سے شروع ہوئی جب انسان نے کوئلہ کو ایندھن کی طرح استعمال کرنا شروع کیا۔ پٹرول کا علم ہونے اور ایندھن کے لیے اس کا استعمال شروع ہونے کے ساتھ یہ آلودگی اور بھی بڑھ گئی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ حالت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹرول



سے چلنے والی موٹر گاڑیوں کی تعداد ہر شہر میں دن دونی رات چوگنی ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ان سب گاڑیوں کے انجن کی صفائی وقتاً فوقتاً ہوتی ہے تب یہ آلودگی کم ہو سکتی ہے مگر ہمارے یہاں تو گاڑی کے انجن کی صفائی اس وقت کرائی جاتی ہے جبکہ گاڑی سڑک پر بالکل چلنا بند کر دیتی ہے۔ اگر گاڑی کا کاربوریٹر اور انجن صاف نہیں ہے تو اس میں پٹرول بھی پوری طرح نہیں جلتا اور اس کی وجہ سے اس سے زہریلی گیسیں نکلتی ہیں جو کہ ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ہوا میں اس آلودگی کی پیشن گوئی قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے کر دی تھی:

ترجمہ: "اچھا انتظار کرو اس دن کا جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا اور وہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ہے دردناک سزا۔" (سورہ 44 آیت 10-11)

اس میں شک نہیں کہ ہوا میں اس حد تک بڑھی ہوئی آلودگی میں ہمارے ذرائع نقل و حمل اور صنعتی ترقی کو سب سے زیادہ دخل ہے۔ ان کی وجہ سے بڑے شہروں اور بعض گنجان آبادی والے علاقوں میں ہوا کی آلودگی اتنی ہے کہ سانس لینے کے لیے آکسیجن میسر نہیں ہے اور یہ آلودہ ہوا نہ صرف انسانوں کے لیے مضر ہے بلکہ پیڑ پودوں کو بھی سخت نقصان پہنچاتی ہے اور بتدریج ایک دردناک عذاب کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کو سے چلنے والے بجلی گھر ہمارے لیے مصیبت بنے ہوئے ہیں ان کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں ہوا کو آلودہ کرتا ہے۔ ان سے نکلنے والا فضلہ پانی کو آلودہ کرتا ہے۔ اور کو کی راکھ ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے کہ اس کو کس طرح اور کہاں ٹھکانے لگایا جائے۔

نظام قدرت میں انسان کی مداخلت سے ماحول میں آلودگی بڑھی ہے۔ قرآن نے اللہ کی بنائی ساخت یا اس کی تخلیق میں تبدیلی کو ایک شیطانی حرکت سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ کلام پاک میں ذکر ہے۔ شیطان اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے:
(ترجمہ) "میں انھیں بہکاؤں گا، میں انھیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انھیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان کاٹیں گے (پھاڑیں گے) اور میں انھیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔" آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اس شیطان کو جس نے اللہ کے بجائے اپنا ولی و سرپرست بنا لیا وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔" (سورہ 4 آیت 119)

رفتار زمانہ پر غور کیجیے تو صاف نظر آتا ہے کہ انسان مستقل شیطانی حرکتوں میں لگا ہوا ہے اور ہوس و خود غرضی میں اس قدر غرق ہے کہ واقعتاً اس نے جانوروں کو مات کر دیا ہے۔ کیا ایک صنعت کار اس بات پر ذرا بھی غور کر رہا ہے کہ اس کی صنعت سے جو فضلات نکل رہے ہیں اس سے خلق خدا کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کو تو صرف اس بات سے غرض ہے کہ وہ اپنی صنعت میں کم سے کم پیسہ لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع اٹھا لے اور یہ کام جتنا جلد ہو سکے کر لیا جائے پھر پتہ نہیں وقت ملے یا نہ ملے۔ سائنسی ترقی نے زراعتی میدان میں ترقی کے بھی سہانے خواب دکھائے اور زیادہ پیداوار والے کھاد تیار کر کے کاشت کاروں کو دیے چنانچہ کاشت کار بھی اپنی کھیتی پر زیادہ سے زیادہ کیمیائی کھاد اور جراثیم کش دوائیں استعمال کر کے اپنی پیداوار بڑھا رہا ہے مگر ان سے ماحول میں جو آلودگی پیدا ہو رہی ہے اسے اس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ وہ ان کے نقصانات سے بالکل ناواقف ہے۔ دنیا کے زیادہ تر ممالک نے DDT اور اس طرح کی دوسری جراثیم کش دواؤں پر پابندی لگا رکھی ہے کیونکہ ان کے نقصانات سامنے آچکے ہیں۔ مگر ہمارے ملک میں یہ کیمیائی کھادیں برابر استعمال ہو رہی ہیں۔ یہ دوائیں بارش کے دوران ہمارے کھیتوں سے بہ کر دریاؤں میں جاتی ہیں اور وہاں کے پانی کو آلودہ کرتی ہیں۔ اسی آلودہ پانی کو انسان اور جانور پیتے ہیں اور یوں بہت سے خطرناک اور نقصان دہ مادّے انسانی جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے ہمارا پورا نظام ذمہ دار ہے جس میں حکومت، انتظامیہ اور سائنس داں سب شامل ہیں۔

اسلام نے جو پاکی اور صفائی کی تعلیم انسان کو دی ہے اس کی مثال ملنا ناممکن ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: "اپنے آپ کو پاک و صاف رکھو ہر ممکن طریقے سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد پاکی اور صفائی پر رکھی ہے۔"



ماحولیات کا تحفظ۔ اسلامی نقطۂ نظر

اقتدار حسین فاروقی، لکھنؤ

بیسویں صدی کی حیرت انگیز سائنسی کامیابی اور صنعتی ترقی نے جہاں ایک طرف انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں سہولتوں اور آسائشوں کی فراہمی کو عام کر دیا ہے وہاں دوسری جانب چند ایسے مسائل بھی پیدا کر دیے ہیں جن کی بنا پر اقبال کا یہ خواب پورا ہوتا نظر نہیں آتا کہ:

"یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہہ کامل نہ بن جائے"

صنعتی ترقی سے پیدا شدہ مسائل اتنے پیچیدہ ہیں اور ان کے حل اتنے دشوار ہیں کہ ساری دنیا کی حکومتیں انتہائی پریشان ہیں۔ دانشور حضرات انتہائی مفکر ہیں اور عوام میں بے چینی ہے۔ ان مسائل میں سب سے اہم مسئلہ اور بڑی حد تک خطرناک مسئلہ ماحولیات کے توازن کا بگڑنا ہے۔ وہ توازن جو انسانی بقا کے لیے لازم ہے، وہ توازن جو جاندار اور بے جان کے درمیان لاکھوں سال سے موجود رہا ہے، وہ توازن جو انسان اور حیوان کے بیچ رہا ہے اور جس میں نباتات کا کلیدی رول رہا ہے۔ انسان، جنگلات، پہاڑ اور ان کو گھیرے میں لیے ہوئی فضائیں۔ یہ سب ہی ایک خاص انداز، مقدار اور تعداد میں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور قدرت کے نظام کا لازمی حصہ ہیں۔ ان میں کسی ایک کا کمزور پڑنا یا کم ہو جانا دوسرے کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس توازن کے بگڑنے میں انسان کا حصہ دار ہونا ایک گناہ ہے اور قدرت سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ اس گناہ کی طرف بہت واضح اشارے قرآن وحدیث میں موجود ہیں جن کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

اسلامی نظریہ کے اعتبار سے اللہ سارے جہان پر محیط ہے دنیا کی ہر شئے اس کی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ قرآنی ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) "اور اللہ کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تمام چیزوں کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔" (سورہ النساء: 126)

یہ آیت بہت صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ اس کرۂ ارض کا ماحول (Environment) اصل میں خدائی ماحول (Dvine Environment) ہے چنانچہ ماحولیات میں دخل اندازی اور بے جا تبدیلی ایک ایسا عمل ہے جو خدائی نظام کی خلاف ورزی ہے۔ انسان اکثر اسی غفلت کی بنا پر اللہ کو ماحول سے الگ کر کے اپنے تصور میں لاتا ہے۔ گویا روحانیت اور مادیت دونوں جدا جدا ہیں، چنانچہ وہ ماحول کا غلط استعمال شروع کرتے ہوئے اس میں موجود توازن کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایسا کرنا قرآنی الفاظ میں زمین پر فساد برپا کرنا ہے۔ جس کے لیے یوں فرمایا گیا: (ترجمہ) "اور مت چاہ فساد بیچ زمین کے، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو۔" (سورہ القصص: 77)

ماحولیات کی حفاظت انسان کے لیے لازمی اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس سرزمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اس دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرے گا۔ فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور ضرور میں بناؤں گا ایک نائب۔"

(سورہ البقرہ: آیت: 30)

لیکن یہ ذہن نشیں رہے کہ جہاں ایک طرف اس سرزمین پر انسان کو اللہ کا نائب (خلیفہ) مقرر کیا گیا ہے وہاں دوسری جانب وہ اس کا غلام (عبد اللہ) بھی ہے۔ گویا کہ وہ الہ کی جانب سے حکومت تو کر سکتا ہے لیکن نظام قدرت میں تبدیلی کا حق نہیں رکھتا ہے۔ وہ اللہ کی پیدا کردہ نعمتوں سے مستفید تو ہو سکتا ہے لیکن ان نعمتوں کے توازن کو بگاڑنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔ اللہ نے "انسان کو بہترین انداز (توازن) کے ساتھ پیدا کیا ہے" (سورہ التین: 4) اور وہ (انسان) جس طرف منہ کرے گا ادھر ہی اللہ کا رخ پائے گا۔ (سورہ البقرہ: 115) ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان کی ہر



شئے انسان کے لیے مسخر تو کردی گئی ہے۔ اس کی بابت فکر کرنے اور اس کے موزوں استعمال کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ لیکن اس کے توازن میں تبدیلی نہ کرنے کی تنبیہ بھی دے دی گئی ہے۔

قرآنی ارشادات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ماحولیات کے تحفظ کو برقرار رکھنے کے لیے کچھ اس طرح ہدایات دیں کہ عام مسلمانوں نے نباتات اور حیوانات (Flora And Fauna) کی حفاظت کو ایک اسلامی شعار سمجھا۔ نخلستان، باغات، ندیاں، جھرنے، چرند اور پرند غرض کہ ہر چیز ان کے لیے Divine Environment کا حصہ بن گئی۔ غزوات میں اس بات پر خاص خیال رکھا جانے لگا کہ دورانِ جنگ اور معرکہ آرائی کھیتوں اور ہرے درختوں کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ جانوروں اور پرندوں کا شکار بلا ضرورت شوق (Sports) کے طور پر کرنے کا چلن ختم کردیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی اس ضمن میں بہت واضح ہدایات مسلمانوں کے پاس تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر جہاں پیاسے جانوروں کو پانی پلانے کے عمل کو قابل ثواب عمل قرار دیا وہاں یہ بھی بتایا کہ پودوں کو پانی دینا بھی ایسا ہی فعل ہے جیسا کہ پیاسے آدمی کو پانی پلانا۔ درختوں کے لگانے کو صدقہ بتایا، صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان کوئی درخت لگائے گا اور اس میں (پھل یا چارہ) سے کوئی انسان یا جانور کھائے گا تو بونے والوں کے لیے وہ تا قیامت باعثِ ثواب (صدقہ) ہوگا۔" (راوی: حضرت جابر بن عبداللہ)

درختوں کے بلا ضرورت کاٹے جانے پر رسول الہ ﷺ نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ایک صحابیؓ کو سدر (انگریزی Cedar) کی لکڑی سے بنے دروازہ سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: "یہ ایک بدعت (لعنت) ہے"۔ (سنن ابو داؤد)

حضرت حسان بن ابراہیم سے یہ بھی روایت ہے کہ: میں نے مکہ میں کسی کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سدر (Cedar) کاٹنے والوں پر" (کتاب الادب: سنن ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن حبشی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سدر کا درخت کاٹے گا اللہ اس کو سر کے بل اوندھے جہنم میں گرادے گا۔" (سنن ابوداؤد)

ماحولیات (Environment) کو خدائی ماحولیات (Divine Environment) تصور کرنا عین اسلامی طرز فکر ہے۔ افسوس کہ مادّیت میں غرق مغرب کی ترقی یافتہ تہذیب میں اس حقیقت کو نہ سمجھا جاسکا اور مادّہ پرستی کے اثر میں ماحولیات کو اس قدر نقصان پہنچادیا کہ کی تلافی بظاہر ممکن نظر نہیں آتی۔ دوسری جانب مشرقی قوموں میں بالعموم اور مسلم اقوام میں بالخصوص مادّیت سے بیزاری اتنی بڑھی کہ ماحولیات کا جاننا بھی ان کا فریضہ نہ رہا۔ ان کے نزدیک صرف چند رسوم ہی روحانیت اور خدائی خدمت کا ذریعہ بن گئیں۔ قدرت کے انظام میں حصہ لینا، زمین و آسمان کے اسرار کو سمجھنا ان کے نزدیک مادّہ پرستی ہوگئی۔ بہرحال اب وقت آگیا ہے کہ ماحولیات کے تحفظ کو دینی عمل سمجھا جائے اور مادّیت اور روحانیت کو ساتھ لے کر کرۂ ارض کو مہہ کامل بنانے کا عزم کیا جائے۔



انجام

انجم دتیاوی
(ایڈوکیٹ) دتیہ (ایم۔پی)

ہو چشم بصیرت اگر کردار اپنے دیکھ
سنجیدگی سے دست ستمگار اپنے دیکھ

افعال ناروا ترے باطل کے ہمسفر
شیرازۂ جہاں کو بناتے ہیں پر خطر

شعلوں کی زد میں رہ کے بقا کی ہیں حسرتیں
برق تپاں محافظ گلشن تری بنیں

ماحولیات سوز مفکر تری نظر
قدرت کے ہر اصول کو کرتی ہے درگزر

سائے کی جستجو میں اڑاتا ہے سر پہ خاک
دامانِ زیست ہر طرح کرتا رہا ہے چاک

آتش فشاں بھی زیر زمیں خود جگائے ہیں
اوزون کی پرت کے بھی ٹکڑے اڑائے ہیں

خطرہ ہے آسماں سے دہشت زمیں سے ہے
چاروں طرف بڑھائے ہلاکت کے دائرے

افسوس عقل و ہوش پہ چھایا ہے وہ نشہ
تجھ کو رہا نہ گل سے نہ گلشن سے واسطہ

ویرانیاں ہیں تجھ کو مٹانے کی منتظر
خود چل پڑا ہے اپنی ہلاکت کی راہ پر

ہر روز صبح نو کی چمکتی ہوئی کرن
حیرت سے دیکھتی ہے تباہی کا بانکپن

سانسیں تولے رہا ہے فنا کی فضا تلے
انسان ! اپنی نسل کا انجام سوچ لے

بقیہ : ہزاروں خواہشیں ایسی)......

ہم مسلمانوں کو اللہ نے اس دنیا میں دوسرے انسانوں کے لیے "خیر" اور دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا مگر ہم بھی اوروں کی صف میں جاکر کھڑے ہوگئے۔ ہم سے انسانیت کو فیض حاصل ہونا تھا مگر ہم خود اللہ اور اس کی کتاب جو علم کا خزانہ ہے، اور اپنے نبی کی سنتیں جو ہمارے اعمال کے لیے مشعل راہ ہیں ان کو بالائے طاق رکھ کر اوروں کی طرح مادیت اور عیش عشرت کے پیچھے پڑ کر اپنے نصب العین کو بھلا بیٹھے ہیں۔ نتیجہ ہمارا بھی وہی حال ہے جو کبھی ہماری ترقی کے دور میں اوروں کا تھا۔ ہم ایک بار پھر سمجھ لیں کہ اللہ نے ہماری خواہشوں کو پورا کرنے کی جگہ جنت کو بتایا ہے یہاں کی زندگی کو ضرورت (جائز) پوری کرنے اور اس کے حکموں پر چلنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے کے لیے بنایا ہے۔

معاشی ماہرین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ خوہشات لامحدود ہیں اور ان کو پورا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں لہٰذا بجائے وسائل کا بے جا استعمال کرکے خواہشات کے رو میں بہنے کے ان کو لگام لگائیں اور اس کرۂ ارض اور باد اور اپنے آپ کو زہریلے اختتام سے بچائیں۔ یعنی بجائے عیش طلب زندگی کے، سادگی اپنا کر ہم باقی انسانوں کے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ ہماری جو بساط اور توفیق ہو اس کے مطابق اپنے گھر اور اپنی ذات کو تو مثال بنا ہی سکتے ہیں۔ حالانکہ ہماری کاوش ایک بڑی آگ کو بجھانے کے لیے ایک قطرے کی حیثیت رکھے گی۔ مگر اللہ کے سامنے جواب طلبی سے گلو خلاصی تو ہو ہی سکتی ہے۔ ساتھ ہی فرض اور ذمہ داری بھی ادا ہو سکتی ہے۔ اللہ کو ہماری فکر پسند آئی تو ہماری باتوں اور عمل کو دنیا میں پھیلانے پر اسے مطلق اختیار ہے اور وہ اسی کو روئے زمین کو ہلاکت سے بچانے کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔



ایک خط سماج کے نام

ڈاکٹر عبد المعز شمس
پوسٹ بکس نمبر: 888 مکۃ مکرمۃ

برادرم ڈاکٹر محمد اسلم پرویز صاحب! اسلام واحترام

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ جون کے ماہ میں ''اسلام اور ماحولیت'' پر خاص نمبر شائع کر رہے ہیں یہ جان کر خوشی ہوئی۔ اس شمارے کے لیے کچھ لکھنے کو کئی بار بیٹھا مگر ہر بار کھو گیا۔ آخر کس پہلو کو نوک قلم کروں۔ حقیقتاً یہ کافی وسیع موضوع ہے اور اس پر تو کئی شمارے شائع ہونے چاہئیں۔

اس وقت رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی زیارت و طواف کے بعد گھر آکر آپ کے جریدے کے لیے لکھنے بیٹھا ہوں ۔حج کا موسم ختم ہو گیا ہے۔ تقریباً 20 لاکھ حجاج کرام فریضہ حج سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہو چکے ہیں۔ حرم شریف میں عجیب سکوت اور خشوع و خضوع کا عالم ہے۔ آپ نے گزشتہ سال جہاں پر بیت اللہ میں عبادت و دعاؤں کے لیے جگہ کا انتخاب کیا تھا اتفاق سے وہیں پر مجھے بھی جگہ مل گئی اور آپ یاد آتے رہے۔ آپ کے لیے، آپ کے اہل خانہ کے لیے، ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے، پھر تمام عالم کے مسلمانوں کے لیے دعائے خیر کرتا رہا۔ آج بوسنیا کے بعد کوسوو ظلم، تشدد کا شکار ہے۔ حرمین شریفین میں بلاناغہ دعائیں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے سارے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کردے، محافظت فرمائے اور حقیقی طور پر اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔۔۔ آمین!

آج صبح سعودی گزٹ کی ورق گردانی کر رہا تھا اس کے مختلف صفحات پر چار خبروں نے ذہن پر عجیب اثر کیا اور صبح سے ذہن کی اس کیفیت کو لیے آپ کے جریدے کے لیے لکھنے بیٹھا ہوں سوچتا ہوں کیوں نہ اسے ہی موضوع کلام بناؤں کیونکہ ہمارے ماحول کا ایک اہم پہلو ہمارا اخلاقی، سماجی، تربیتی ماحول بھی تو ہے۔ جن خبروں نے میرے ذہن کو جھنجھوڑا ہے وہ نوجوانوں سے اور ان کی تربیت سے متعلق ہیں۔ معاشرے کی اصلاح کا دارومدار بچوں کی حسن تربیت پر ہے۔ بچے قوم کا اہم سرمایہ ہوتے ہیں جس پر قوم کی عظمت و رفعت کی بنیادیں استوار کی جاتی ہیں۔ جس عمارت کی بنیادیں کمزور اور کھوکھلی ہوں گی، اس کے گرنے میں کہاں کسر باقی رہ سکتی ہے۔

ابھی امریکہ کے شہر کولاراڈو (Colarado) میں دو بچوں نے اپنے تیرہ ساتھیوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور اس کے بعد خود کشی کرلی۔ اس ہیبت ناک سانحہ سے متعلق خبریں روزانہ شائع ہو رہی ہیں۔ ابھی حساس دلوں کی دھڑکنیں کم نہیں ہوئی تھیں، معصوم و مظلوم بچوں کے والدین کے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ صرف آج ایسی چار خبریں دنیا کے مختلف کونوں سے شائع ہوئی ہیں ۔کولاراڈو کی خبر کے بعد دوسری خبر میں بتایا گیا کہ کناڈا کے شہر تابر (Taber) میں ایک لڑکے نے Wrmyers ہائی اسکول میں گولی چلادی جس سے ایک لڑکا فوت کر گیا اور دوسرا تشویشناک حالت میں اسپتال میں پڑا ہے۔ تیسری خبر میں بتایا گیا ہے کہ نیویارک میں پانچ بچوں کو بروک لین اسکول کو بم سے اڑا دینے کی سازش رچانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ چوتھی خبر میں بتایا گیا ہے کہ بڑی مشکل سے ایک سولہ سالہ طالب علم پر پولیس کے کتوں اور ہیلی کاپٹر کی مدد سے قابو پایا گیا ہے۔ جو انگلینڈ میں Glouceter نام کے شہر میں کالج آف آرٹ اینڈ ٹکنالوجی کی کھڑکی سے اندر بیٹھے طالب علموں پر گولی چلا کر بھاگ نکلا تھا۔

یہ خبریں نہ صرف امریکہ کی ہیں بلکہ ایسی بہتیری خبریں دنیا کے ہر گوشے کی چھپتی رہتی ہیں اور نہ جانے کتنی بغیر چھپے رہ جاتی ہوں گی۔ چند دن قبل ایک خبر سعودی گزٹ میں تھی۔ اسی ملک میں قصیم کے علاقہ میں ایک گاؤں میں دو بچوں نے اسکول کے ہیڈ ماسٹر پر گولیاں چلادیں مگر سوئے اتفاق کہ ہیڈ ماسٹر نشانہ کا شکار نہ ہو پائے اور بچ گئے۔

خود ہندوستان کے پایہ تخت دہلی میں تمرن کونرٹ کا ہولناک سانحہ پیش آیا۔ ان خباروں کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ لکھنؤ میں اپنی پسند کی آئس کریم کے حاصل نہ



ہونے پر باسکن روبنس کے اسٹال پر اس کے ایک غریب ملازم کو چار نشے میں دھت نوجوانوں نے اپنی پستول کا نشانہ بنادیا۔

آخر یہ سب کیوں ہورہا ہے۔۔؟ ہر حساس ذہن ودماغ میں سوالیہ نشان ابھرتا ہے۔ ان حرکات کا محرک کون ہے؟ کیا ان سب واقعات کے ذمہ دار اور قصوروار صرف ہمارے بچے ہیں؟ خود بخود ان سوالات کے جوابات بھی ابھر رہے ہوں گے۔ مگر ہم سب آج کی سوسائٹی سے تصفیہ کر چکے ہیں اور اسے گردش لیل ونہار کا جز مان چکے ہیں۔ اگر ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے غور فرمائیں تو بچوں کے بعد سب سے بڑے قصوروار ان کے والدین ہیں چونکہ اس سماج میں پرورش پانے والے بچوں کو ان کے والدین کی طرف سے صحیح رہنمائی حاصل نہیں ہوپارہی۔ بچوں کے معصوم لیکن سرعت کے ساتھ قبول کرنے والے دماغ پر جو اثرات گھر کے ابتدائی ماحول میں مرتب ہوتے ہیں وہ ان کے تاحیات مجموعی مزاج کا اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ گھر بچے کا وہ پہلا مدرسہ ہے جہاں سے ملنے والی تعلیم وتربیت پورے معاشرے کی تہذیبی قدروں کا محرک اوّل ہے۔

اور پھر یہ حقیقت نہ صرف کسی عام یعنی غیر معاشرے پر صادق آتی بلکہ ایک اسلامی معاشرے کے لیے تو ازحد اہمیت کی حامل ہے۔

دوسری ذمہ داری ذرائع ابلاغ اور جدید سماج کی ہے۔ آج کی سوسائٹی میں ٹی وی، وی سی آر، کمپیوٹر، سٹیلائٹ، ڈشینر، موبائل فون اور انٹرنیٹ زندگی کا حصہ بن چکے ہیں۔

یقیناً اس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا مگر افادیت سے کئی ہزار گنا زیادہ اس کے نقصانات ہیں جس کا تماشہ ہم سبھی دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ الیکٹرانک گجٹس زمین پر فساد نہیں پھیلا رہے۔۔۔؟

ابھی حال کے کلوراڈو کے ہی واقعہ کو لے لیجئے جس کا محرک تشدد سے بھرپور ویڈیو گیم ہے جو آج امریکہ میں ہر زبان پر ہے ان میں ڈوم (Doom) یا کویک (Quake) سب سے اہم ہے جسے مجرموں نے خوب خوب دیکھا تھا۔ David Grossman جو امریکن فوج کے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل ہیں اور جو اس سے قبل نفسیات کے ایک ماہر استاد رہ چکے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ویڈیو گیمز بچوں میں قاتلانہ حملوں کی جھجک کو مٹاتے ہیں اور حقیقت میں اب یہ کھیل فوجی نوجوانوں کو کھلوائے جاتے ہیں تاکہ انھیں جنگ کے دوران بندوق کی لبلبی کو دبانے کی ہمت اور حوصلہ فراہم کیا جاسکے۔ آگے یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے کھیل بچوں کو قاتلانہ حملوں کے لیے تیار کرتے ہیں اور ایسے تجربوں سے تفریح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں پھر فرماتے ہیں یقیناً ہر دیکھنے والا قاتل نہیں ہوجاتا جیسے ہر سگار نوش کو کینسر نہیں ہوتا لیکن تقریباً سبھی مریض ضرور بن جاتے ہیں۔

تشدد آمیز ویڈیو گیمز (Monsters) کا مقابلہ کراتے کراتے، غائبانہ طور پر انسانوں پر حملے کی تربیت دیتے ہیں۔ گاڑیوں کی دوڑ والے مقابلے میں کھیلنے والا پیدل چلنے والے راہگیروں، حتیٰ کہ عورتوں اور بیساکھیوں کے سہارے سڑک کے کنارے چل رہی عورتوں کو کچلنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہمارے حساس کانوں اور آنکھوں کو سب سن کر اور پڑھ کر کیسا محسوس ہوتا ہے۔ یقیناً ایسے کھیل جو بچے کھیلتے ہیں وہ سوائے بیمار مزاج کے اور پا بھی کیا سکتے ہیں۔

امریکہ گلوبل ولیج (Global Village) کا مکھیہ مانا جاتا ہے۔ وہاں کے بیشتر بچے نفسیاتی مریض ہیں۔ تقریباً ہر ماہر نفسیات کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ شدت سے نوجوانوں میں بڑھتے تشدد کا سبب ذرائع ابلاغ سے پھیلتا تشدد (Media Violence) ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق عام امریکی بچہ دولاکھ سے زائد ٹی وی پروگراموں میں تشدد دیکھتا ہے۔ جس میں سولہ ہزار قتل وہ ہائی اسکول سے نکلنے سے پہلے ہی دیکھ چکا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فلموں، ویڈیو اور کمپیوٹر گیمز میں تو وہ ملوث ہوتا ہی ہے۔

کچھ سال پہلے امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے تشدد پر قومی رپورٹ کارڈ پیش کیا جس میں ٹی وی، فلمیں، موسیقی اور کمپیوٹر اور ویڈیو گیمز کو D-Plus شمار کیا تھا اور بچوں کی تربیت، نوجوانوں اور ان کے والدین کو ان چیزوں سے پیدا ہونے والی تباہی سے بچنے کا سجھاؤ پیش کیا۔ AMA آج سے تقریباً چالیس سال قبل ٹی وی سے پیدا ہونے والے تشدد کی پیشین گوئی کرچکا تھا اور اس کے



تاثرات پر 1950ء میں روشنی ڈالی تھی۔ 6ر ستمبر 1952ء کے شمارے میں اس کے ایڈیٹر نے مجموعی جرم اور خوفناک مناظر سے بچوں کی جذباتی اور جسمانی صحت پر برے اثرات کے سلسلہ میں ہم کو متنبہ کیا تھا۔

تحقیق کے مطابق ٹی وی کی ایجاد کے دس سے پندرہ سال کے دوران میڈیا تشدد و جرائم دوگنے ہوگئے۔ اس تحقیق کے بعد وہاں "V-Chip" قانون بنا جس میں ٹی وی بنانے والوں کو ہدایت دی گئی کہ والدین کو ٹی وی پر بچوں سے غیر متعلق پروگرام پر روک لگانے کا انتظام کرنا چاہیے۔

قانون اپنی جگہ مگر تشدد کی وارداتیں اپنی جگہ۔ اب معاملہ محض ٹی وی اور ویڈیو گیمز تک محدود نہیں بلکہ اس سے کہیں آگے انٹرنیٹ (Inter net) بھی ہے۔ اس وقت امریکہ کے والدین ایک ایسی کش مکش میں مبتلا ہیں جس سے نجات ممکن نہیں۔

مسئلہ صرف امریکہ کا نہیں بلکہ سات سمندر پار کا کلچر اب ہمارے خطۂ ارض میں داخل ہوچکا ہے۔ یہ زہر ہمارے سماج میں سرایت کر گیا ہے۔

Toy Story Lion Kuig عربی زبان میں نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے Disney کا جادو ہمارے نوخیز بچوں کے ذہن پر سوار ہے۔ کچھ والدین اس سے مطمئن ہیں کہ آج کا کارٹون ہمارے بچوں کی فکر میں وسعت پیدا کرتا ہے اور اس سے بچوں کا ذہن اور اس کا ردعمل بڑھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بچے اس عمر میں اسکرین اور حقیقی زندگی کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکتے اور کچھ دنوں بعد یقین کرنے لگتے ہیں کہ کسی کے سر پر مارنا ایسا ہی ہے جیسے Bugs Bunny فلموں میں مارتا ہے۔ بدقسمتی سے فلمیں، کارٹون اور ویڈیو کے پر تشدد کھیل بچوں کی دنیا میں کتابوں کا متبادل سمجھے جارہے ہیں۔

کچھ دنوں قبل کامکس پڑھنے کا شوق پیدا کرلیا گیا اور بچے کامکس کی دنیا میں کھو گئے۔ الماریوں کی الماریاں کامکس سے بھر گئیں۔ درحقیقت کامکس اور کارٹونس عمدہ کتابوں کا بدل نہیں ہوسکتے۔ کارٹون، کامکس، ویڈیو گیمز اور فلمیں تشدد ہی نہیں سکھاتیں بلکہ اخلاقی پستی، چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، دواؤں کا استعمال اور بدکاری کی طرف لے جاتی ہیں۔

کرۂ ارض پر اسلام واحد مذہب ہے جس میں بچوں کی تربیت و تعلیم پر خاصہ زور دیا گیا ہے۔ اسلام معاشرے میں برائی پھیلنے سے روکنے کی تدبیر بتاتا ہے اور نہ بچنے پر عذاب کا اعلان کرتا ہے:

(ترجمہ): "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔" (سورہ تحریم۔ آیت 66)

یقیناً اس دور میں بچوں کی پرورش ایک مشکل کام ہے اور دھارے کے برعکس چلنے کے مصداق ہے۔ ماں باپ، استاد اور معاشرہ اس پود کی تربیت کے بارے میں اللہ کے حضور جواب دہ ہیں۔ اگر وہ اچھی تربیت کریں گے تو بچے بھی اور وہ خود بھی دنیا و آخرت میں سعادت مند ہوں گے اور اگر تربیت میں غفلت برتی گئی تو بچے بدبخت بن جائیں گے اور اس کا بار انکی گردن پر ہوگا۔

بچوں کی پرورش اور تربیت ایک اہم ذمہ داری ہے۔ کتنے والدین اپنے بچوں کو اسلامی شناخت کے لیے تیار کراتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(ترجمہ): "اے ایمان لانے والو تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" (سورہ البقرہ: 208)

قرآن اور سنت کی پیروی ایک سخت عمل ہے۔ سخت محنت اور قربانی درکار ہے۔ اس میں کچھ مشکلیں آئیں گی مگر ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلنے سے بہتر ہے کہ اپنے گھر، معاشرے کو پوری طور پر اسلام میں آنے کے لیے تیار کیا جائے۔ خود کو اور بچوں کو لہو لعب سے بچایا جائے۔ اسلام کے مطابق شب و روز کی پروگرامنگ کی جائے۔

والدین منفی دنیا کے اثرات سے بچوں کو نکال نہیں سکتے اور نہ ہی پوری طرح دنیا سے الگ ہو کر چل سکتے ہیں۔ جس وقت بچے دوراہے پر اپنے کو محسوس کریں والدین اس وقت پشت پناہی کو

(باقی صفحہ 12 پر)



کھجور

راشد حسین
ہمالیہ ڈرگ کمپنی نئی دہلی

اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے زندگی بھی وہ جس میں حقوق اللہ بھی مدِ نظر ہوں اور حقوق العباد بھی۔ سب امن چین سے رہیں اور خوش رہیں تجارت زراعت اور بہترین انتظامیہ ہو اور ساتھ میں اللہ کی عبادت بھی ہو کچھ اس طرح سے کہ گویا ہماری روز مرّہ کی زندگی اللہ کی عبادت بن جائے۔ ایسا سب کچھ ہونے پر ہی ہم اندازہ کر پائیں گے کہ وہ کتنا عمدہ ماحول ہوگا جس میں یہ سب ہو۔ جس میں عبادت کے ذرائع اور آسانیاں بھی ہوں۔ دنیا سے متعلق آسانیاں بھی ہوں، سچ تو یہ ہے کہ جہاں اسلام پر مکمل عمل ہوگا اور لوگ ''پورے کے پورے'' اسلام میں موجود ہوں گے وہاں بہترین ماحول ہوگا جس میں دنیا کی آسائشیں بھی ہوں گی اور افراط بھی ہوگی۔ اللہ نے اپنے کلام سورہ الرحمٰن میں تلسی کو ایک نعمت سے تعبیر کیا ہے۔ کھجور، عرب کی سرزمین کا خاص درخت ہے اس لیے اس کا تذکرہ تو سب سے زیادہ ہے (تقریباً 20 جگہ) سورہ الحشر کی ایک آیت تو کھجور کے درختوں کو لے کر ہی ہے (ترجمہ) ''تم لوگوں نے کھجوروں کے درخت کاٹے یا ان کو کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا۔ یہ اذن اس لیے دیا تاکہ فاسقوں کو ذلیل خوار کرتے۔'' (سورہ الحشر: آیت نمبر 6) حضرت عبداللہ بن عبّاس فرماتے ہیں کہ سورہ الحشر غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ صحیح روایت کے مطابق یہ غزوہ ربیع الاول ۴ ھ میں واقع ہوا۔ اس زمانہ میں جنگ کے دوران عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کو مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ پھل دار درخت کاٹنے کی بھی سخت ممانعت تھی۔ جب مسلمانوں نے کچھ درخت کاٹے جن کا کٹنا جنگی مصلحت کے پیش نظر ضروری تھا تو یہودیوں نے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ مسلمان تو کہتے ہیں کہ کسی بھی پھل دار درخت کو دورانِ جنگ نقصان نہیں پہنچانا چاہیے لیکن اب وہ خوب درخت اجاڑ رہے ہیں اور کاٹ رہے ہیں یہ صاف طور پر فساد فی الارض نہیں تو اور کیا ہے۔ اس پر مسلمانوں کو سخت رنج والم کا احساس ہوا۔ تب اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے

کھجور کی تاریخ 5000 سال سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ یہ شاید ہندوستان یا عرب کا پودا ہے۔ لیکن تاریخ لکھے جانے سے بہت پہلے ہی یہ پوری دنیا میں پھیل چکا تھا۔ دنیا کے دیگر پرانے مذاہب میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ مقدّس بھی مانا جاتا ہے۔ ہندو حضرات اسے درگا پوجا میں استعمال کرتے ہیں۔ یہودیوں کی Feast of Taber Nacles کھجور پر مبنی ہے عیسائیوں میں Palm Sunday تہوار بھی کھجور سے متعلق ہے۔ مسلمانوں میں تو اسے بہت ہی مقدس تسلیم کیا جاتا ہے۔

کھجور کا درخت بنیادی طور پر گرم علاقوں میں ہوتا ہے۔ یہ ان علاقوں میں بھی پھل دیتا ہے جہاں پانی کم ہو۔ سعودی عرب اور شمالی افریقہ تو کھجور کا گھر ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور ایشیائی مالک میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ عراق میں پانچ ہزار سال سے پرانی اینٹیں دستیاب ہوئی ہیں جن میں اس زمانہ میں کھجور کی آمیزش کی جاتی تھی۔ کھجور لمبائی میں 30 میٹر تک چلا جاتا ہے۔ اکثر یہ ایسے علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے جہاں پانی 6 فٹ پر موجود ہو۔ خلیج عرب کے الشرقیہ کے ساحلی علاقوں میں خاص طور پر القطیف تاروت، الجبیل اور راس تنورہ میں کھجور کے گھنے گھنے جنگل ملتے ہیں۔ کھجور کی تقریباً 60 قسمیں پائی جاتی ہیں۔

کھجور کا درخت جنس کے لحاظ سے مذکر اور مونث ہوتا ہے۔ مذکر کو پھل نہیں لگتا جبکہ اس کے دانے مونث، پودوں کو بار آور کرنے کے لیے ہوا یا باغبانوں کی کوشش سے پہنچائے



جاتے ہیں۔ پھل شدید گرمی میں لگتا ہے جو گچھوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ایسے درخت بھی ہیں جن کے ایک ایک گچھے میں ایک ہزار تک دانے ہوتے ہیں۔ درخت کی اوسط عمر 150 سال ہے۔اس کا کوئی حصہ بیکار نہیں جاتا۔ پتوں سے ٹوکریاں بنتی ہیں، تنا عمارتی لکڑی کے طور پر کام میں آتا ہے، شاخیں کرسیاں بننے اور جلانے کے کام آتی ہیں۔

کھجور کی قسمیں

بلح: یہ کچی کھجور ہے جو خواہ درخت کے ساتھ لگی ہو یا اتار لی گئی ہو

لبسرہ: کچی کھجوریں جب پکنے کے قریب آجائیں، مگر ابھی پکی نہ ہوں۔

طلع: جب کونپلوں سے پھل بننے لگے تو یہ پہلا شگوفہ ہے جو درخت پر ظاہر ہوتا ہے۔

رطب: وہ کھجور جو درخت پر لگی ہوئی پوری طرح پک جائے۔ اگر اسے اتارا نہ جائے تو اپنے آپ بھی گر جاتی ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہی چیز زچگی کی کمزوری کے لیے مرحمت فرمانے کا ذکر کیا ہے۔

تمر: درخت سے پکنے کے بعد خشک کھجوریں جو عام طور پر کھائی جاتی ہیں۔

جمار: کھجور کا گابھا۔

حشف: ردی کھجوریں۔

قرآن مجید میں کھجور کا ذکر صرف رطب اور نخل کی صورت میں آیا ہے۔ جبکہ احادیث میں یہ آٹھ ناموں سے موسوم ہونے کے علاوہ گچھوں کے ذکر میں دوال کے نام سے مذکور ہیں۔پانی میں بھگو کر اس کا عرق یا شربت نبیذ ہے۔

کیمیائی مادّہ: کیمیائی تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ کھجور میں کاربوہائیڈریٹس تقریباً 70%، پروٹین 3%، چکنائی 0.20%، کیلشیم 0.07%، اور دوسرے نمکیات بھی ہوتے ہیں۔ کھجور میں پائی جانے والی شکر بہت مفید قسم کی ہوتی ہے اور فوراً ہضم ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ کھجور میں سوڈیم، میگنیشیم، تانبہ، فولاد، فاسفورس، گندھک اور کلورین بھی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں جو ہماری صحت اور ہمارے جسم کے لیے بہت ضروری ہیں اس میں وٹامن۔اے اور بی بھی پائے جاتے ہیں۔

مزاج: گرم و خشک

افعال و مواقع استعمال: پھلوں میں کھجور ممتاز حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ جسم کے ہر حصے کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔یہ زخموں کو مندمل کرتی ہے، بلغم کو خارج کرتی ہے، قوت باہ کو بڑھاتی ہے، گردہ، مثانہ، پتا اور آنتوں میں قولنج کے دردوں کو روکتی ہے، پیٹ کے کیڑے مارتی ہے، یہ اعصاب کی تقویت کے لیے بھی مفید ہے۔ اگر بلڈ پریشر اچانک کم ہو جائے یا کم بلڈ پریشر کا مرض ہو تو سوکھے خرمہ شہد میں ملا کر ایک روزانہ کے حساب سے کچھ دن مسلسل کھا لیے جائیں تو بلڈ پریشر کی کمی کی شکایت جاتی رہتی ہے۔ اگر اچانک بلڈ شوگر (Blood Sugar) کم ہو جاتی ہو تو گھر میں کھجور ضرور رکھیں۔اور وقت ضرورت استعمال کریں۔

تنبیہ: کھجوریں ہمیشہ اچھی قسم کی ہی استعمال کریں اور ایک وقت میں 50 گرام سے زیادہ استعمال نہ کریں۔

مشہور مرکبات: معجون آدر خرما۔

نبی کریم ﷺ نے روزہ کھولنے کے لیے ہمیشہ کھجور استعمال فرمائی۔ یہ اس کی افادیت کا بہت بڑا ثبوت ہے کیونکہ روزے کے دوران مسلسل فاقہ کی وجہ سے جسم میں نقاہت ہوتی ہے۔اس وقت ایک ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جو جامع اور سہل الہضم ہو۔ اس کا اثر فوری طور پر شروع ہو جائے اور کمزوری جاتی رہے، معدہ دن بھر خالی رہنے کی وجہ سے کسی بھاری چیز کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ کھجور فوری طور پر ہضم ہو کر جگر کے لیے تقویت کا باعث بن جاتی ہے۔

یہ زخموں کو مندمل کرتی ہے۔ نفث الدم میں مفید ہے۔ اسہال کو دور کرتی ہے۔ یرقان کے لیے بہترین ہے کیونکہ پتہ اور جگر کے فعل کو درست کرتی ہے، اپنے بیش بہا فوائد کی وجہ سے اسے مسلمان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ فوائد کے ساتھ ساتھ بھلائی کا ذریعہ ہے۔

کھجور سے متعلق چند احادیث یہاں منقول ہیں:

(باقی صفحہ 48 پر)

لائٹ ہاؤس

صابن : ایک اہم ضرورت

—— عبدالودود انصاری، مغربی بنگال

انسان فطری طور پر نفاست پسند ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہر وقت اس کا جسم ولباس صاف ستھرا رہے۔ اس کے لیے وہ زمانہ قدیم ہی سے طرح طرح کی چیزوں کو استعمال کرتا رہا ہے۔ کبھی درخت کے پتوں سے کام چلایا تو کبھی چکنی کھریا، یا پیلی مٹی کا استعمال کر لیا کرتے ہیں۔ مگر جہاں سائنس کی ترقی نے ہماری زندگی کی بہت ساری ضرورتوں کو پوری کرنے میں مدد دی وہاں صفائی کے معاملات میں بھی خاصی پیش رفت ہوئی ہے اور آج ہم جو صابن استعمال کرتے ہیں وہ سائنس کی ہی دین ہے صابن دراصل عربی لفظ صابون سے اخذ کیا گیا ہے جسے فارسی میں "برہوہ" کہتے ہیں۔

صابن کیا ہے ؟

ہم جانتے ہیں کہ تیل اور چربی میں نامیاتی تیزابیں (ORGANIC ACIDS) اور گلیسرائیڈ (GLYCERIDE) پائے جاتے ہیں۔ گلیسرائیڈ کے اندر بہت سارے نامیاتی تیزابیں مثلاً اسٹیرک ایسڈ (STEARIC ACID) پامیٹک ایسڈ (PALMETIC ACID) اولیک ایسڈ (OLEIC ACID) اور گلیسرین (GLYCERINE) ہوتے ہیں۔ انہی گلیسرائیڈ کو جب کاسٹک سوڈا یعنی سوڈیم ہائیڈرو آکسائیڈ (NaOH) یا کاسٹک پوٹاش یعنی پوٹاشیم ہائیڈرو آکسائیڈ (KOH) سے تعمل کرایا جاتا ہے تو گلیسرین الگ ہو جاتی ہے اور بہت سارے سالٹ کے سیر شدہ محلول جیسے پالمی ٹیٹ (PALMITATE) اسٹیئریٹ (STEARATE) یا اولیٹ (OLEATE) حاصل ہوتے ہیں۔ سوڈیم یا پوٹاشیم کے یہی سالٹ صابن کہلاتے ہیں۔ پوری کیمیائی تعمل کو اس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے :

تیل + چربی + کاسٹک سوڈا ← گلیسرین + صابن

یا

گلیسرائیڈ + کاسٹک سوڈا ← گلیسرین + صابن

صابن کیسے تیار کیا جاتا ہے ؟

صابن کی تیاری میں عام طور پر ناریل کا تیل، کھجور کا تیل پام کا تیل وغیرہ کئی اقسام کے تیل استعمال ہوتے ہیں جو انسانی جلد کو نرم اور ملائم رکھتے ہیں۔ کبھی خاص قسم کے صابن کے لیے خاص قسم کا تیل بھی استعمال ہوتا ہے جیسے نیم صابن کے لیے نیم کا تیل۔

طریقہ :

سب سے پہلے ایک بڑی کڑھائی میں چربی یا تیل کو لے کر آگ پر گرم کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں کاسٹک سوڈا ملا کر خوب چلایا جاتا ہے۔ درمیان میں ناریل کا تیل الگ سے ملا کر گرم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے جب محلول اچھی طرح ابلنے لگتا ہے تو تھوڑی دیر بعد محلول کو ٹھنڈا ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ٹھنڈا ہونے پر محلول کے اوپر صابن کی تہہ جم جاتی ہے اور نیچے رقیق مادّے بچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد آسانی سے صابن الگ کر لیا جاتا ہے۔ یہ صابن کی خالص شکل ہوتی ہے یہ نہایت نرم ہوتا ہے۔ صنعتی پیمانے پر بنائے جانے والے صابن کے لیے اس طرح سے حاصل شدہ صابن میں سوڈیم سلیکیٹ اور قلیل مقدار میں کاسٹک سوڈا ملا کر

اسے پکایا جاتا ہے۔ خوب اچھی طرح پک جانے کے بعد ٹھنڈا کر کے صابن حاصل کر لیا جاتا ہے۔ صابن کی تیاری میں چند ایسے مرکبات بھی ملائے جاتے ہیں جو صابن کے مضر اثرات کو زائل کر دیتے ہیں۔ صابن کو خوشبودار اور رنگین بنانے کے لیے خوشبوؤں اور رنگوں کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تمام آمیزشوں کے بعد صابن کو چند دنوں تک چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح خشک ہو جائے خشک ہونے کے بعد رولر مل کے ذریعہ ہموار کر کے مختلف سائزوں اور ڈھانچوں میں کاٹ کر کاغذ کے ذریعہ پیکنگ کر دی جاتی ہے۔ یہ تو ہوا صابن بنانے کا طریقہ۔ لیکن صابن میل کو کس طرح دور کرتا ہے ؟

صابن کے صاف کرنے کا عمل :

جب ہم جسم پر صابن ملتے ہیں تو جسم کے میل پر صابن کی ایک پتلی تہہ جم جاتی ہے جو پانی میں اس میل کی چکنائی کو اپنے اندر حل کر لیتا ہے۔ اس طرح بدن سے میل دور ہو جاتا ہے۔ یہی عمل کپڑوں کے میل دور کرنے کا بھی ہے۔

صابن کی اقسام :

(1) کپڑے دھونے کا صابن۔

یہ صابن عام چربی سے تیار کیا جاتا ہے جو پانی میں حل پذیر اور آسانی سے جھاگ پیدا کرتا ہے۔ اس طرح کے صابن کا وزن بڑھانے کے لیے سوڈیم سلیکیٹ کا استعمال ضروری ہے۔

(2) ٹائیلٹ صابن۔

یہ صابن اعلیٰ قسم کے تیل یا چربی سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر خوشبودار ہوتا ہے۔

(3) عام گھریلو صابن۔

اس صابن میں سوڈیم کاربونیٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ یہ صفائی کے لحاظ سے بہت عمدہ ہوتا ہے۔

(4) برتن مانجھنے کا صابن۔

اس طرح کے صابن میں رگڑ دار مادے مثلاً جاذب پتھر، ریت، صابن کا سفوف اور سوڈیم کاربونیٹ ملے ہوتے ہیں جو برتنوں کو صاف کرنے میں بڑے معاون ہوتے ہیں۔

(5) شیونگ سوپ کریم

اس صابن میں کاسٹک پوٹاش کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ بہت نرم ہوتا ہے۔ یہ صابن جلد جھاگ پیدا کرتا ہے۔

(6) شفاف صابن

اس طرح کے صابن میں گلیسرول یا الکحل کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ سب سے پہلے صابن کو الکحل میں حل کرایا جاتا ہے پھر اس محلول کو عمل تبخیر کے ذریعہ خشک کر کے شفاف صابن حاصل کیا جاتا ہے۔

(7) میڈیکل صابن

اس طرح کے صابن میں ایسے کیمیائی مادے ملائے جاتے ہیں جو مختلف بیماریوں خاص کر جلد کی بیماریوں کے لیے سودمند ہوتے ہیں جیسے نیم سوپ، مارگو سوپ، ڈیٹول سوپ وغیرہ۔

غیر صابونی مصفی یا ڈیٹرجنٹ :

آج کل گھریلو کپڑوں کو صاف کرنے کے لیے صابن کی جگہ پاؤڈر کا استعمال ہو رہا ہے جسے ڈیٹرجنٹ کہتے ہیں۔ سرف۔ نرما۔ وھیل ان کی مثالیں ہیں۔ ڈیٹرجنٹ اولیفین (OLEFIN) سے تیار کی جاتی ہے (اولیفین ایک ہائیڈرو کاربن ہے جس کا کیمیاوی ضابطہ C_nH_{2n} ہوتا ہے جہاں n کی قیمت 12 سے 20 کے درمیان ہوتی ہے)۔ اولیفین کو پہلے مرتکز سلفیورک ایسڈ

کے ذریعہ سلفیونیٹڈ ($CONC.\ H_2SO_4$) کیا جاتا ہے پھر سلفیونیٹ (SULPHONATED) (SULPHONATE) کو سوڈیم ہائیڈرو آکسائیڈ محلول کے ذریعہ سوڈیم سالٹ میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ یہی سوڈیم سالٹ ڈیٹرجنٹ کہلاتا ہے۔

دھونے کے عمل میں ڈیٹرجنٹ اوپری سطح پر اثر انداز ہوتا ہے اور کپڑوں کے میل کو دور کرنے کے لیے پانی کے سالموں کے درمیانی کشش کو کم کر دیتا ہے اور آخر میں پانی کے ساتھ مل کر کپڑے میں جذب ہو جاتا ہے۔ پھر کپڑے سے میل آسانی سے دور ہو جاتا ہے۔

صابن بمقابلہ ڈیٹرجنٹ:

صابن میں کیلشیم اسٹیریٹ (CALCIUM STEARATE) ہوتا ہے جو پانی میں ناحل پذیر ہوتا ہے جبکہ ڈیٹرجنٹ میں کیلشیم سالٹ ہوتے ہیں جو پانی میں حل پذیر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیٹرجنٹ صابن کے مقابلہ میں زیادہ حل پذیر ہے۔ دوسرا یہ کہ ڈیٹرجنٹ نرم اور سخت دونوں پانی میں یکساں جھاگ پیدا کرتا ہے جبکہ صابن کے ساتھ ایسی بات نہیں ہے۔

اگرچہ آج صابن اور ڈیٹرجنٹ بنانے والی بڑی بڑی کمپنیاں موجود ہیں پھر بھی اگر اس کے بنانے کے طریقوں پر مہارت حاصل کر لی جائے تو آج نوجوانوں میں پھیلی ہوئی بیکاری کو کسی حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔

بقیہ : قرآن اور حیاتیاتی توازن

چاہئے۔ کاش ہم نے قرآنی تعلیمات کو سمجھا اور عام کیا ہوتا۔ اب سے چودہ سو سال پہلے قرآن ہمیں یہ ہدایت دے چکا تھا ،زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہو (سورہ اعراف آیت 45-58)ان آیات کی تشرح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں: ''زمین میں فساد برپا نہ کرو یعنی زمین کے انتظام کو خراب نہ کرو۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی میں ایسی غلطیوں کا مرتکب ہوتا رہا اور اللہ کے بنائے ایک منظم، مستحکم اور عدل و توازن پر مبنی نظام کو درہم برہم کرتا رہا لیکن بالآخر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور 1992ء میں ریو (Rio) کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ دنیا بھر کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ آج کے بعد ہر ملک اپنے اپنے طور پر ہر طرح کے جانوروں کے تحفظ کے لیے اقدامات کرے گا۔ انہیں اس بات کا پورا احساس ہو گیا تھا کہ ماضی میں انھوں نے اللہ کے بنائے ہوئے متوازن نظام میں جگہ جگہ بگاڑ پیدا کر دیا ہے اور اگر انھوں نے اب بھی اسے روکنے کی جانب قدم نہیں اٹھایا تو ماحول کا بگاڑ خود انہیں بھی ختم کر ڈالے گا۔ یہ ایک خوش آئندہ قدم ہے جس پر مضبوطی سے عمل ہونا ہدایت چھوڑ کر اپنے اخلاق معاشرت اور تمدن کو ایسے قوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہوں، یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے انتظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصد ہے۔''

کھانا خراب کیوں ہوتا ہے

پروفیسر متین فاطمہ

کھانے میں زیادہ تر کیمیائی اور طبعی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسے خراب کرنے والے جراثیم زیادہ تر پھپھوندی (MOLD)، خمیر (YEAST)، خامروں (ENZYMES) اور بیکٹیریا کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان جراثیم کو اگر مناسب حرارت اور نمی میسر آتی رہے تو یہ بڑی تیزی سے نشوونما پاتے ہیں اور کھانے کی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔

پھپھوندی (MOLD)

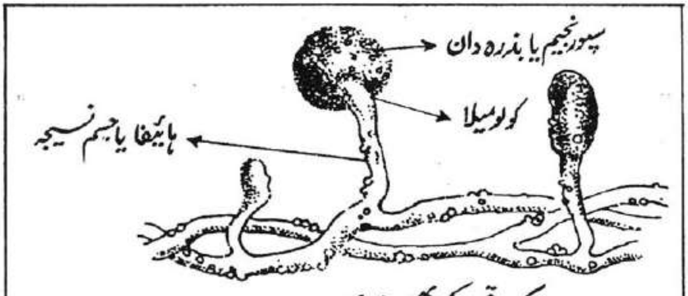
پھپھوندی تمام حیاتین والی غذاؤں، میٹھی چیزوں جیسے جام، جیلی اور تازہ پھلوں کو بڑی جلدی لگ جاتی ہے۔ پھپھوندی کے جراثیم کے لیے 20 سے 35 سنٹی گریڈ یا 65 سے 95 فارن ہائٹ حرارت کافی ہوتی ہے۔ اتنی حرارت پر پھپھوندی آسانی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کم حرارت میں اس کے جراثیم تیزی سے نشوونما نہیں پاسکتے۔ ابالنے پر یہ جراثیم کلی طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

خمیر (YEAST)

خمیر ان کھانوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں کسی قدر مٹھاس پائی جاتی ہو۔ جب اس قسم کے کھانوں پر خمیر کا اثر ہوتا ہے تو وہ الکحل (ALCOHOL) اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (CARBON DIOXIDE) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ خمیر کے جراثیم کی نشوونما کے لیے 20 سے 38 درجہ سنٹی گریڈ حرارت کافی ہوا کرتی ہے۔ ٹھنڈی جگہ پر یہ نشوونما نہیں پاسکتے۔ بہت زیادہ حرارت پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ زیادہ میٹھی چیزوں میں بھی ان کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔

بیکٹیریا (BACTERIA) یا جراثیم

روٹی کچھ عرصہ پڑی رہے تو اسے پھپھوندی لگ جاتی ہے جو ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ شربت کی بوتل میں جالا پڑ جاتا ہے۔ بند اور گندے پانی پر سبز کائی جم جاتی ہے۔ گندھا



ایک قسم کی پھپھوندی

ہوا آٹا کچھ عرصہ رکھنے سے خمیر ہو جاتا ہے۔ دودھ سے دہی بن جاتی ہے۔ اصل میں ایسے سارے کام بیکٹیریا یا پھپھوند یا خمیر کرتے ہیں۔

بیکٹیریا، جراثیم یا کروبے کی ماہیئت وساخت:

بیکٹیریا ادنیٰ ترین جاندار مخلوق ہے۔ بیکٹیریا کو طاقتور خردبین کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ صرف ایک خلیے (CELL) والا جاندار ہے۔ اس خلیے میں پروٹوپلازم (PROTOPLASM) یا مادۂ حیات ہوتا ہے جو کہ نیم جامد جیلی (فالودہ) کی مانند صاف وشفاف، یکساں یا بعض اوقات دانے دار ہوتا ہے۔ اس کا بیرونی طبق بڑا مضبوط ہوتا ہے

جیسے سیل ممبرین (CELL MEMBRANE) یعنی خلوی غشا یا سیل وال (CELL WALL) یعنی خلوی دیوار کہتے ہیں ۔

بیکٹیریا کے افعال و خواص :

افعال کے لحاظ سے بیکٹیریا کے دو قسم ہوتے ہیں :

1 ۔ مفید بیکٹیریا
2 ۔ مضر بیکٹیریا



خمیر کی مختلف شکلیں

1۔ مفید بیکٹیریا :

مفید بیکٹیریا تو وہ ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں بیسیوں جگہ ہمارے لیے چیزوں کی بناوٹ میں اچھی تبدیلیاں لاکر انھیں ہمارے لیے زیادہ مفید اور کارآمد بناتے ہیں اور اس طرح گویا ہماری بہت بڑی خدمت سرانجام دیتے ہیں ۔ خمیر، خمیری روٹی، خمیرہ، تمباکو، شراب، دہی، سرکہ اور پنیر بنانے میں سب سے بڑا کام یہی بیکٹیریا سرانجام دیتے ہیں ۔ کاشتکاری میں تو جراثیم کا اتنا کام ہے کہ فلاحتی علم الجراثیم (AGRICULTURAL BACTERIOLOGY) ایک الگ مضمون بن چکا ہے ۔ زمین کے اندر پودے کے لیے خوراک کا ذخیرہ تو موجود ہوتا ہے لیکن وہ ایسی حالت میں نہیں ہوتا کہ پودا اسے جذب کر سکے، اس لیے ہل چلایا جاتا ہے تو ہوا زمین کے اندر داخل ہوتی ہے جس سے جراثیم بڑھ کر زمین پر اپنا عمل کرتے اور کھاد وغیرہ میں سے قابل انحلال مرکبات پیدا کرتے ہیں ۔ گویا جراثیم زمین کو تیار کر کے اس قابل بناتے ہیں کہ اس پر نباتات و حیوانات اپنی زندگی قائم رکھ سکیں کیونکہ تمام نباتات زمین ہی میں سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اکثر حیوانات کی گزر بسر کا دارومدار نباتات پر ہے ۔

2 ۔ مضر بیکٹیریا :

مضر بیکٹیریا وہ ہیں جو ہماری غذا کو خراب کر دیتے ہیں یا مختلف قسم کے امراض کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں ۔ تعفن یا سڑاند ایسے بیکٹیریا کا اہم ترین فعل ہے ۔ اس فعل سے یہ تمام نباتی و حیوانی مردہ اجسام کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیتے ہیں ۔ لیکن مضر بیکٹیریا کا انسان کے لیے ایک مفید پہلو بھی ہے ۔ وہ یوں کہ اگر بیکٹیریا کا یہ طرز عمل نہ ہوتا تو زمین کی سطح نباتی و حیوانی مردہ اجسام سے اس بڑی طرح پٹ جاتی کہ کھڑے ہونے کو بھی جگہ نہ رہتی ۔ پس یہ جراثیم ہی ہیں جو تمام مردہ اجسام کو ٹھکانے لگانے کا کام سرانجام دیتے ہیں ۔

اگر حالات سازگار ہوں تو جراثیم کی پیداوار بڑی تیزی سے ہوتی ہے ۔ اگر تیزابی مادہ بڑھا دیا جائے تو جراثیم پیدا نہیں ہوتے ۔ گرم کرنے اور کھولانے سے بھی اکثر جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں، سوائے اس کے جب جراثیم بذرہ (SPORES) کی حالت میں ہوں ۔ اس صورت میں یہ درجۂ کھولاؤ سے بھی اونچے درجۂ حرارت پر ضائع ہوتے ہیں ۔

جراثیم 25 سے 30 درجہ سنٹی گریڈ تک آسانی سے نشو ونما پاسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ سازگار درجۂ حرارت، جس میں جراثیم خوب پروان چڑھتے ہیں۔ 20 سے 55 ڈگری سنٹی گریڈ تک ہے۔

خامرے (ENZYMES)

یہ کیمیائی مرکب ہیں جو ہر جاندار جسم میں نشو ونما پاتے ہیں۔ انھیں کھولا کر ضائع کیا جاسکتا ہے۔ اگر انھیں اسی طرح ضائع نہ کیا جائے تو یہ کھانے میں کئی ایک تبدیلیاں لاکر اسے خراب کر دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے پھلوں کی رنگت سیاہ ہوجاتی ہے اور گوشت، سبزی اور دوسری غذائیں خراب ہوجاتی ہیں۔

جراثیم کے غذا پر اثرات:

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ بعض بیکٹیریا کھانوں پر اس طرح اثرانداز ہوتے ہیں جس سے کھانوں میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان سے کھانوں کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایسے بیکٹیریا، مفید بیکٹیریا کہلاتے ہیں۔ چنانچہ پنیر، دہی، شراب، سرکہ وغیرہ انہی بیکٹیریا کے عمل سے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض بیکٹیریا کے اثرات ہمارے لیے نقصاندہ ہوتے ہیں۔ ان بیکٹیریا کو مضر بیکٹیریا کہتے ہیں ان میں سے پھپھوندی کے اثرات زیادہ نقصان کا باعث نہیں ہیں۔ کھانے پر اگر پھپھوندی کا کسی قدر اثر ہو تو اسے دور کرکے کھایا یا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر پھپھوندی زیادہ ہو اور کھانے کا رنگ بدل چکا ہو تو ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ پنیر کو اگر زیادہ پھپھوندی لگ جائے تو وہ بھی قابل استعمال نہیں رہتا۔ پھپھوندی لگے پھل بھی قابل استعمال نہیں ہوتے۔ ان کے استعمال سے پرہیز ہی مناسب ہے۔

خمیر (YEAST) سے زیادہ تر سرکہ اور شراب بنتی ہے۔ کھانوں میں اس کے اثر سے کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے کھانے کا مزہ اور خوشبو متاثر ہوتی ہے لیکن اگر کھانے میں خمیری اثرات بہت زیادہ ہوجائیں تو تعفن پیدا ہوجاتا ہے۔ اس قسم کا کھانا بھی مضر صحت ہوا کرتا ہے۔

کھانے میں مضر جراثیم (HARMFUL BACTERIA) کے اثرات انتہائی خراب ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ چند گیسیں مثلاً ہائیڈروجن، ایمونیا اور ہائیڈروجن سلفائیڈ پیدا کرتے ہیں جو کھانوں کا ذائقہ بگاڑ دیتی ہیں۔ اس قسم کا کھانا صحت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی غذا کے متعلق شبہ ہو تو اسے سونگھنا چاہئے، اگر بُو متغیر معلوم ہو تو اسے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ ویسے بھی باسی کھانا ہمیشہ گرم کرکے کھانا چاہئے تاکہ نقصان پہنچانے والے جراثیم اور ان کا پیدا کیا ہوا عمل ختم ہوجائے۔

سیب، آڑو اور اسی قسم کے دوسرے پھل اور سبزیاں خامروں (ENZYMES) کے اثر سے سیاہ ہوجاتے ہیں۔ اور ان کا مزہ بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔ ایسے پھل اور سبزیاں بھی قابل استعمال نہیں ہوا کرتیں۔

ڈبّہ بند غذا (CANNED FOOD) پر بھی جراثیم کا اثر ہوتا ہے۔ یہ جراثیم زیادہ حرارت پر بھی زندہ رہ سکتے ہیں اس لیے ہم انھیں حرارت پسند جراثیم (THERMOPHILIC BACTERIA) کہتے ہیں۔ یہ 25 سے 85 درجے تک کی حرارت میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ ڈبّہ بند غذائیں اگر عمل کاری (PROCESSING) کے فوراً بعد ٹھنڈی نہ کی جائیں تو ان میں جراثیم پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح اکثر فریزر (FREEZER) میں رکھے ہوئے کھانے بھی خراب ہوسکتے ہیں کیونکہ ٹھنڈک پسند جراثیم (PSYCHOPHILIC BACTERIA) ٹھنڈک میں زندہ رہ سکتے ہیں اور کھانے کے ساتھ ہی منجمد ہوجاتے ہیں۔ جب منجمد کھانا گرم کیا جاتا ہے تو یہ جراثیم بھی زندہ ہوجاتے ہیں۔ احتیاط کا

تقاضہ یہی ہے کہ کھانا ہمیشہ خوب گرم کر کے کھایا جائے البتہ جو کھانے ٹھنڈے ہی کھائے جاتے ہیں، انھیں گرم کرنے کی ضرورت نہیں۔ فریزر یا برف میں رکھے ہوئے گوشت کو جراثیم جلد خراب کر دیتے ہیں کیونکہ یہ 0 سنٹی گریڈ سے 15 سنٹی گریڈ اور 20 سنٹی گریڈ تک زندہ رہ سکتے ہیں اس لیے اگر عمل کاری ٹھیک طریقے پر نہ کی جائے تو میان پسند جراثیم (MESOPHILIC BACTERIA) پیدا ہو جاتے ہیں جو 5 سنٹی گریڈ سے 43 سنٹی گریڈ درجے تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس گروہ میں مرض آور جراثیم (PATHOGENIC BACTERIA) بھی آتے ہیں۔ کھانا زیادہ تر انہی جراثیم کی وجہ سے خراب ہوتا ہے۔

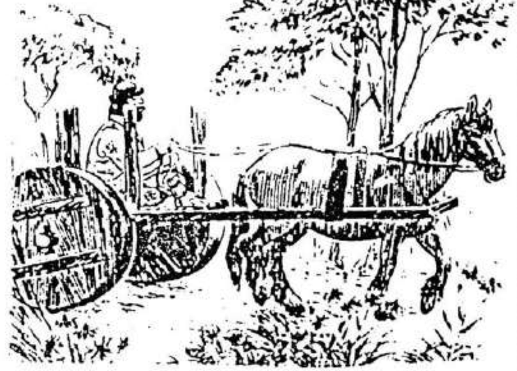
بعض جراثیم ہوا کی موجودگی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ انھیں ہم ہوا باش جراثیم (AEROBIC BACTERIA) کہتے ہیں۔ بعض ہوا کی غیر موجودگی میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ انھیں ہم ناہوا باش جراثیم (ANAEROBIC BACTERIA) کہتے ہیں۔ کچھ ہر دو صورتوں میں زندہ رہ سکتے ہیں، انھیں استعدادی جراثیم (FACULTATIVE BACTERIA) کہتے ہیں۔ یہ ہر صورت میں بڑھتے رہتے ہیں۔ تحفظ غذا (FOOD PRESERVATION) کے نظریے کے مطابق ناہوا باش (ANAEROBIC) جراثیم کھانے کے بگاڑ میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ ان سے جو زہریلا مادّہ (TOXIN) پیدا ہوتا ہے وہ زیادہ حرارت برداشت کر سکتا ہے۔

کب کیوں کیسے؟

ادارہ

پہیہ کب ایجاد ہوا؟

3500 ق م کے لگ بھگ قدیم عراق میں پہیوں کے استعمال کے شواہد ملتے ہیں۔ یہ پہیے دو قسم کے تھے۔ ایک چھکڑے کے پہیے جیسا اور دوسرا کمہار کے چاک جیسا۔ یہ چاکی پہیہ ہی ہماری گراریوں، چرخیوں اور مشینری میں استعمال جانے والے دوسرے پہیوں کا نقطۂ آغاز ہے۔



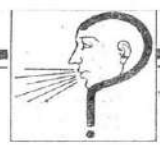
پہیوں کے بغیر قدیمی چھکڑا گھسیٹ کر چلایا جاتا تھا یا پھر اس کے نیچے لکڑی کی گیلیاں رکھ کر ان پر سے کھینچا جاتا تھا۔ جب چھکڑا آگے نکلتا تو پیچھے سے فارغ گیلیاں اٹھا کر پھر اس کے آگے رکھ دی جاتیں۔ رفتہ رفتہ گیلیوں کی جگہ پہیے نے لے لی اور اس طرح پہلی مرتبہ پہیوں والا چھکڑا ایجاد ہو گیا۔

قدیمی پہیے دھروں کے ساتھ مضبوطی سے باندھے جاتے تھے اور پہیہ اور دھرا اکٹھے حرکت کرتے تھے۔ اس طرح پہیوں والا چھکڑا جب موڑ کاٹتا تو بیرونی پہیے کو اندرونی پہیے کی نسبت لمبا چکر کاٹنا پڑتا۔ لہٰذا ایک پہیے کو بازوؤں کے زور سے دھکیلنا یا گھسیٹنا پڑتا۔

بعد کے دور میں یہ ایجاد ہوا کہ پہیے دھرے سے باندھے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ دھرے پر آزادانہ گردش کرتے تھے اس سے موڑ کاٹنا آسان ہو گیا۔

پہلی پہیہ دار گاڑیاں، کسانوں کے چھکڑے، جنگی رتھیں، شاہی بگیاں اور دیوتاؤں کی گاڑیاں تھیں۔

پہلے پہل چھکڑے یا بگیاں دو یا چار پہیوں سے بنائی جاتی تھیں۔ لیکن ابتدائی چار پہیہ والی گاڑیاں زیادہ کارآمد نہ تھیں۔ ان میں دونوں دھروں کو چھکڑے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا جاتا تھا۔ چونکہ یہ دونوں دھرے گھومنے سے قاصر تھے، اس لیے ان سے تیز موڑ نہیں کاٹا جا سکتا تھا۔ تقریباً دو ہزار سال قبل کسی نے اگلا محوری دھرا ایجاد کیا جو دائیں یا بائیں گھوم سکتا تھا۔ گراری دار پہیہ جنوب مغربی ایشیا میں تقریباً دو ہزار قبل مسیح میں ایجاد ہوا۔



سوال جواب

ہمارے چاروں طرف قدرت کے ایسے نظارے بکھرے پڑے ہیں کہ انھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ چاہے کائنات ہو یا خود ہمارا جسم، کوئی پیڑ پودا ہو یا کیڑا مکوڑا...... کبھی اچانک کسی چیز کو دیکھ کر ذہن میں بے ساختہ سوالات ابھرتے ہیں۔ ایسے سوالات کو ذہن سے جھٹکیے مت...... انھیں ہمیں لکھ بھیجئے...... آپ کے سوالات کے جواب "پہلے سوال پہلے جواب" کی بنیاد پر دیئے جائیں گے...... اور ہاں!...... ہر ماہ کے بہترین سوال پر =/50 روپے کا نقد انعام بھی دیا جائے گا۔ البتہ اپنے سوال کے ہمراہ "سوال جواب کوپن" رکھنا نہ بھولیں۔ نیز اپنا سوال اور مکمل پتہ صاف اور خوش خط لکھیں۔

سوال : ایک ہی باپ کی دو اولادوں کے خون گروپ الگ الگ کیسے اور کیوں ہوتے ہیں؟

سیّد امتیاز احمد
مرزا غالب کالج۔ گیا (بہار)

جواب : خون گروپ کا تعیّن بھی جین (Gene) کے ذریعے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر بچّے میں دیگر جینز کی طرح خون گروپ کی جینز بھی آزادانہ طور پر منتقل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں ایک ہی والدین کے بچّوں میں الگ الگ بلڈ گروپ ملتے ہیں۔

سوال : انسان مٹی کا بنا ہوا ہے۔ لیکن جب انسان کو زخم یا چوٹ لگتی ہے تو مٹی تو دکھائی نہیں دیتی۔ ایسا کیوں؟

محمد کلیم الحق
پور پیٹر کالونی۔ آکوٹ فائل آکوٹ ناکہ۔ آکولہ۔ 444001

جواب : آپ کا اشارہ غالباً کلام پاک کی اس آیت کی جانب ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے۔ فی الحال اللہ تعالیٰ نے انسان کو جتنا علم دیا ہے، اس کی روشنی میں ایسا لگتا ہے کہ یہاں مٹی سے مراد شاید مٹی کے اجزاء ہیں اور یہ لگ بھگ تمام اجزاء یعنی وہ معدنیات وغیرہ جو مٹی میں پائے جاتے ہیں، انسان کے جسم کو بھی بناتے ہیں۔ اگر اس آیت میں مزید کوئی اشارہ ہے تو سائنس ابھی تک وہاں نہیں پہنچتی ہے۔ ممکن ہے آئندہ ہم اس آیت کو مزید بہتر طور پر سمجھ سکیں

سوال : ہمارے دانتوں کا اینمل (Enamel) اتر جاتا ہے تو ہمارے دانتوں کو ٹھنڈا گرم، کھٹا، میٹھا لگنے کا احساس ہوتا ہے لیکن نمکین کے لگنے کا احساس نہیں ہوتا ایسا کیوں؟

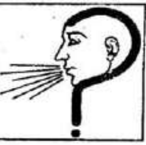
تہمینہ پرویز
معرفت کمال الیکٹریکل ورکس، رزاق مارکیٹ
محمد علی روڈ۔ علی گڑھ۔ 202001

جواب : ہمارے دانتوں کے اینمل کے نیچے جو ٹشو ہوتا ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اسے ڈینٹائن (Dentine) کہتے ہیں۔ اینمل اس زندہ ٹشو کے اوپر حفاظتی پرت ہوتی ہے۔ اس کے ہٹنے کے بعد دانت کی حفاظت ختم ہو جاتی ہے اور وہ زیادہ حسّاس ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں گرم، ٹھنڈا تو حدّت کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے محسوس کیا جاتا ہے۔ کھٹے میں تیزابیت ہوتی ہے جو دانت کے ٹشو اور عصبی نسوں (Nerves) کو متحرک کر دیتی ہے۔ البتہ میٹھے اور نمکین سے عصبی نسوں کو کوئی تحریک نہیں ملتی اس لیے ان کے کھانے سے تکلیف نہیں ہوتی اور اگر ان سے بھی دانتوں کو تکلیف ہوتی ہے وہ تو دانت چلانے یا دبانے کی وجہ سے ہوتی ہوگی۔

سوال : خراٹے لینے والا دوسروں کو تو اٹھا دیتا ہے۔ مگر خود کیوں نہیں اٹھتا؟ کیا نیند میں اس کو اپنے خراٹوں کی آوازیں نہیں آتی؟

قریشی حسین
بھارت ہارڈویر اسٹور، منڈی بازار
برہان پور۔ 450331 (ایم۔ پی)

جواب : ہم جن حالات میں سوتے ہیں، ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ روشنی کر کے سونے کے عادی ہوتے ہیں، تو کچھ اندھیرے میں سوتے ہیں۔ کچھ لوگ شور غل میں سو جاتے ہیں تو کچھ کو سونے کے لیے ایکدم پر سکون



ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح خراٹے لینے والا بھی اپنے خراٹوں کی آواز کا عادی ہو جاتا ہے اور اس شور میں آرام سے سوتا رہتا ہے۔

سوال : مچھر انسان کی رگ (Vein) سے ہی کیوں خون نکالتا ہے؟ آرٹری (Artery) سے کیوں نہیں؟

مشتاق احمد لون

لالہ وانی کدلہ بل، پانپور، کشمیر۔192121

جواب : ہمارے جسم میں وین (Vein) کھال کے عین نیچے ہوتی ہیں جبکہ ارٹریز گوشت کے اندر نسبتاً گہرائی میں ہوتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آرٹریز کی دیواریں کافی موٹی ہوتی ہیں جبکہ وین کی دیواریں پتلی ہوتی ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا

جواب : صحت مند آدمی میں ایسا نہیں ہوتا۔ عموماً نزلے کے دوران جو "سائی نس" (Sinus) کی شکایت ہو تو پانی دانتوں میں لگنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نزلے کے اثر سے دانتوں کے مسوڑھے متاثر ہوتے ہیں اور دانتوں کی عصبی نسوں (Nerves) کی جڑیں اس انفیکشن کی وجہ سے متاثر ہو کر تحریک پیدا کرتی ہیں جس کے باعث تکلیف ہوتی ہے۔

پودے لگائیے۔ جانوروں سے اچھا برتاؤ کرے۔ اپنے ہمسایوں اور معاشرے کا خیال رکھے۔ اور اسراف سے باز رہے۔ اس طرح ہماری یہ دنیا بھی خوبصورت بن سکتی ہے۔

انعامی سوال : پانی اور دودھ کو الگ الگ گرم کرنے سے پانی سے پہلے اور زیادہ دودھ اچھلتا ہے۔ ایسا کیوں؟

مرزا اسلمان بیگ

نرگس میڈیکل، پرانا بازار، بھدرک۔اڑیسہ۔756100

جواب : پانی میں قدرتی خاصیت ہے کہ وہ حدت کو جذب کرتا ہے۔ جب آپ پانی گرم کرتے ہیں تو حدت کی کچھ مقدار پانی کے جسم میں سما جاتی ہے اس کے بعد پانی کا درجہ حرارت بڑھنا شروع ہوتا ہے اور جب 100ڈگری سینٹی گریڈ پر پہنچ جاتا ہے تو ابلنے لگتا ہے۔ ابلنے کے ساتھ ہی وہ بھاپ کی شکل اختیار کر کے مسلسل فضا میں خود کو منتشر کرتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف دودھ میں پانی کے علاوہ چکنائی اور پروٹین بھی ہوتے ہیں جو حدت کو جذب نہیں کرتے۔ دودھ میں موجود پروٹین حدت 40ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر ہوتے ہی ٹھوس ہو کر پرت بنانے لگتے ہیں جس میں چکنائی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ یہ پرت جب پانی سے بننے والی بھاپ کو باہر نکلنے سے روکتی ہے تو بھاپ اس پرت کو اوپر دھکیلتی ہوئی باہر نکلتی ہے اور اس طرح دودھ ابل جاتا ہے۔ اگر دودھ ابلتے وقت آپ اس میں چمچہ چلا کر پرت کو توڑ دیں یا پانی ڈال دیں تو ابال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بھاپ کو باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے۔

پر مچھر کا بس ہماری وین پر ہی چلتا ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست حکمت کارفرما ہے۔ آرٹری میں خون پریشر کے ساتھ چلتا ہے اگر مچھر ان میں سوراخ کر دیتا تو خون رستا اور اس کا بند ہونا نسبتاً مشکل ہوتا۔

سوال : جب ہم پانی پیتے ہیں تو دانتوں میں درد محسوس کیوں ہوتا ہے؟

مہ لقا ناز بنت ممتاز احمد

نزد حیدری اکھاڑہ۔ نواب پورہ ایوت محل۔445001

سوال : الیکٹرک چولھے پر پکائے ہوئے کھانے میں پروٹین اور وٹامنز اور دیگر غذائی اجزاء جل جاتے ہیں یا باقی رہتے ہیں؟ ہمیں روزمرہ الیکٹرک چولھے پر پکا ہوا کھانا استعمال کرنا چاہئے یا نہیں؟

ظفر احمد تنویر احمد

148-2-6 محلہ سیدان ناندیڑ۔431604

جواب : کھانے میں پروٹین، وٹامنز اور دیگر غذائی اجزاء زیادہ درجہ حرارت پر اور زیادہ دیر تک پکانے سے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ کھانا بھنا ہوا ایک رہا ہے یا پانی یا شوربے کے



ساتھ ۔ کھانے میں پانی ہوتا ہے تو وہ بھی غذائیت کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اگر کھانا زیادہ دیر تک آگ پر پکایا جائے گا تو غذائیت کم ہو جائے گی۔ یہ آگ کس ذریعے سے حاصل ہو رہی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی چولھا بجلی کا ہے یا تیل کا یا گیس کا۔ اہم چیز درجۂ حرارت اور حدت ہے۔

سوال : سبز ہونے کے باوجود منی پلانٹ کو سائے میں کیوں رکھا جاتا ہے ؟ جبکہ تمام سبز پودے روشنی میں شعاعی ترکیب کا عمل کرتے ہیں؟

سہیل رشید معرفت ایس رشید

عقب پنچایت سمیتی، ورود۔ امراوتی۔444904

جواب : یہ سچ ہے کہ سبھی سبز پودے فوٹو سنتھیسس (شعاعی ترکیب) کی مدد سے اپنی غذا روشنی میں تیار کرتے ہیں تاہم کچھ پودوں کو اس عمل کے لیے کم روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ کو زیادہ کی۔ منی پلانٹ کو اس عمل کے واسطے اتنی کم روشنی کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اسے آپ کے کمرے میں بھی حاصل کر لیتا ہے اور غذا تیار کر لیتا ہے لہٰذا زندہ رہتا ہے۔

سوال : نمک اور برف دونوں ہی پانی کے جمنے سے بنتے ہیں، برف پگھل جاتی ہے نمک کیوں نہیں پگھلتا؟

شجاع حسین

سعادت بلڈنگ، کوٹ ویسٹ۔ سمبھل۔244302

جواب : آپ کا سوال غلط معلومات پر مبنی ہے۔ برف صرف پانی کے جمنے سے بنتی ہے لیکن نمک ایک الگ کیمیائی مادّہ ہے جو پانی کے جمنے سے نہیں بنتا۔ یہ یا تو کیمیائی طریقے سے تجربہ گاہ میں بنتا ہے یا پھر قدرتی طور پر چٹانوں میں پایا جاتا ہے۔

سوال : گھوڑ سوار جب گھوڑے پر چڑھتا ہے تو الٹی طرف سے کیوں چڑھتا ہے اور جب ہم سائیکل پر چڑھتے ہیں تو بھی ہم الٹی طرف سے ہی چڑھتے ہیں۔ ایسا کیوں؟

چودھری منسوب

A 4/350 ایک مینار کالونی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ۔202002

جواب : ہم سبھی لوگ قدرتی طور پر یعنی پیدائشی طور پر یا تو دائیں ہاتھ والے ہوتے ہیں یا بائیں ہاتھ والے۔ زیادہ تر لوگ دائیں ہاتھ والے ہوتے ہیں یعنی وہ اپنے سبھی کام سیدھے ہاتھ یا سیدھے رخ سے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف بائیں ہاتھ والے اپنے سبھی کام الٹے ہاتھ سے اور الٹے ہاتھ کی طرف سے کرتے ہیں۔ اس خاصیت کا تعلق دماغ سے ہے۔ ہمارے دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ سیدھا اور الٹا۔ دونوں کو ایک درمیانی گہری لائن الگ الگ کرتی ہے۔ سیدھے ہاتھ سے کام کرنے والوں کا بائیں طرف کا اور الٹے ہاتھ سے کام کرنے والوں کا دائیں طرف کا دماغی حصہ زیادہ فعال ہوتا ہے۔ سیدھی طرف سے کام کرنے والے گھوڑے یا سائیکل پر ہمیشہ الٹی طرف سے چڑھتے ہیں تاکہ سیدھی سائیڈ کو استعمال کر سکیں۔ کیونکہ اس طرح چڑھنے میں ان کا پیر پیڈل یا رکاب میں اٹکا رہتا ہے اور سیدھا پیر کام کرتا ہے۔

بقیہ : کھجور

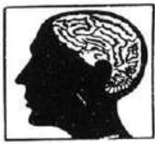
حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں:

(ترجمہ) "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس عظیم کھجور عجوہ میں ہر بیماری سے شفا ہے اور اگر اسے نہار منہ کھایا جائے تو یہ زہروں سے تریاق ہے۔" (مسلم) یہی روایت مسند احمد میں اضافہ کے ساتھ بھی ہے۔

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد گرامی سے روایت کرتے تھے۔ (ترجمہ): "میں نے سعدؓ سے یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے صبح اٹھتے ہی عجوہ کھجور کے سات دانے کھا لیے۔ اس دن اسے جادو اور زہر بھی نقصان نہ دے سکیں گے۔" (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتی ہیں:

(ترجمہ): "میری والدہ مجھے موٹا کرنے کے لیے بہت علاج کرواتی رہیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤں تو موٹی ہوں لیکن ان تمام دواؤں سے کوئی فائدہ نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے تازہ پکی ہوئی کھجوریں اور کھیرے کھائے، ان سے میں نہایت خوبصورت جسم والی موٹی ہو گئی۔"



کسوٹی

65

سوالیہ نشان کی جگہ کون سا نمبر آئے گا؟

(1)

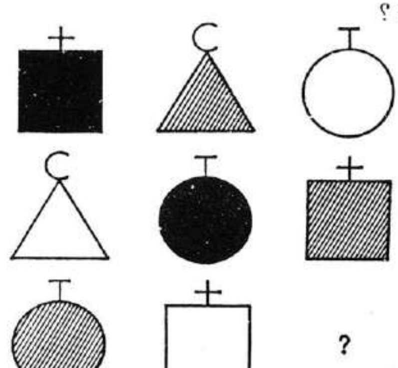
1	C	5	?
A	3	E	?

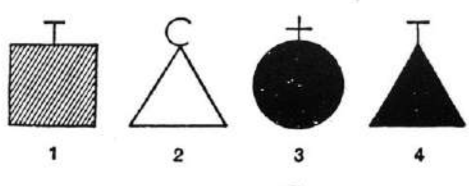
(2) 1 8 27 ?

(3) 71 68 77 50 ?

نیچے دیے گئے ڈیزائنوں (4-5) میں سے ہر ایک ڈیزائن میں ایک خالی جگہ ہے اور ساتھ ہی مختلف ڈیزائنوں کے چھ نمونے ہیں۔ آپ کو یہ بتانا ہے کہ کس خالی جگہ پر کون سے نمبر کا ڈیزائن آئے گا؟

(4)



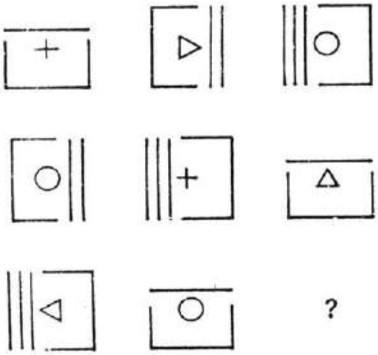


1 2 3 4



5 6

(5)





1 2 3 4



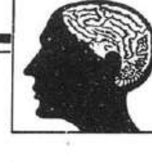
5 6

آپ کے جواب ''کسوٹی کوپن'' کے ہمراہ 10/جولائی 1999ء تک ہمیں مل جانے چاہئیں۔ صحیح جوابات میں سے بذریعہ قرعہ اندازی کم از کم 5 بہن بھائیوں کے نام چن کر اگست 1999ء کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔ نیز جیتنے والوں کو عام سائنسی معلومات کی ایک دلچسپ کتاب بھیجی جائے گی۔

نوٹ :

1۔ یہ انعامی مقابلہ صرف اسکولوں کی سطح نیز دینی مدارس کے طلباء و طالبات کے لیے ہے۔

2۔ بہت سارے جوابات صحیح ہونے کے باوجود قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہو پاتے کیونکہ ان کے ساتھ ''کسوٹی کوپن'' نہیں ہوتا۔ اس لیے ''کسوٹی کوپن'' رکھنا نہ بھولیں۔



صحیح جوابات کسوٹی نمبر63

1۔ 6 (یہاں اعداد کے دو سلسلے ہیں۔ 5 25 625 اس سلسلے میں ہر اگلا عدد پچھلے کا اسکوائر روٹ ہے ۔ دوسرے سلسلے میں 6 36 1296 میں بھی ایسا ہی ہے)

2 154 (مرحلہوار ہر عدد میں15 , 17 , 19 , 21 جمع کرتے جائیں۔

3 35 (ہر عدد میں بالترتیب 7 , 8 , 9 , 10 جمع

کرتے جائیں تو اگلا عدد ملے گا۔

4 ڈیزائن نمبر۔D

5 ڈیزائن نمبر۔A

انعام پانے والے خوش نصیب بہن بھائی :

1۔ محمد اقبال

میر چکورہ، پلوامہ، کشمیر۔192305

2۔ شہناز مقبول بابا

گنڈ نوروز، بجبہاڑہ، اننت ناگ، کشمیر-192124

3۔ زینت پروین

معرفت ہندوستان ہوائی سینٹر، لیبسٹن بازار، آسنسول۔713301

4۔ ظہیر انور مجاہد

144 ایس ایس ہال (نارتھ) اے۔ایم۔یو۔ علی گڑھ۔202002

5۔ محمد سجّاد

گھونگھا، چوسکور، تحصیل کرگل، ضلع لداخ۔194103

صحیح حل بھیجنے والے دیگر شرکاء:

● فضل الرحمٰن ظلّی ، مدرسہ الاصلاح، اعظم گڑھ ● شاہ صائب ربّانی کوکرناگ کشمیر ● شاہ غازی صہیب شیر باغ اسلام آباد کشمیر

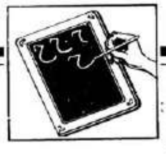
بقیہ : کاوش

ہے ۔ اسی ماحول میں بچّہ اپنے والدین بھائی بہنوں قریبی رشتہ داروں پڑوسیوں سے مانوس ہو کر ان کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرکے اپنی عملی زندگی میں تجربہ کرتا ہے ۔ یہ تجربہ اس کے مشاہدے پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے کہ گھر کا ماحول اطراف و اکناف کا ماحول پھلتے پھولتے نونہالوں کی صحیح خطوط پر جسمانی ذہنی و اخلاقی تعلیم تربیت دے سکے۔

ماضی قریب میں بچّے کا گھریلو ماحول خاندانی روایات تہذیبی و تمدنی قدروں سے روشناس تھا۔ بزرگوں و رشتہ داروں کا احترام لازم و واجب تھا۔ ابتدائی عمر ہی سے بچوں کو طرز مخاطب نشست و برخاست ، کھانے پینے ، اٹھنے بیٹھنے کے آداب و اصول سکھائے جاتے تھے ۔ لیکن تہذیبی قدروں نے وقت کے ساتھ ساتھ کروٹیں بدلیں، چھوٹے چھوٹے خاندان وجود میں آئے تلاش معاش کی فکر نے والدین کی بچّوں کو پرورش سے محروم کردیا۔

مدرسہ درحقیقت ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جہاں نونہالوں کی ذہنی جسمانی و اخلاقی نشو و نما کے تمام وسائل موجود ہوں جہاں بچّے کی شخصیت ابھرے جو صحیح معنوں میں سماج کا تمدنی مرکز کہلائے۔ لیکن سماجی تبدیلیوں نے اسے بھی کاروباری ادارہ بنا دیا چنانچہ مدارس اپنے بنیادی مقاصد کی تکمیل میں ناکام ہو گئے اور نتیجتاً بچّہ آج گھر میں باغی اور اسکول میں سرکش طالب علم بن گیا ہے انسانی قدریں پامال ہو گئیں آج کا انسان اپنے ماحول سے متنفر نظر آتا ہے۔ اس کو ماضی کی اخلاقی قدریں یاد آتی ہیں۔

ماحول ہی کو وہ تمام برائیوں کے لیے موردالزام ٹھہراتا ہے درحقیقت ماحول میں تبدیلی لانے والا انسان ہی تو ہے آج وقت کی اہم ترین پکار ہے کہ ماحول کو عارضی و مصنوعی چمک دمک و ریاکاری سے بچائیں ۔ ان نئی ایجادات کے استعمال پر جن سے اخلاقی گراوٹ و ماحول کے سکون کی تباہی کا خطرہ ہو ، پابندی لگائی جائے۔ تمام تر برائیوں کی روک تھام کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ انشاءاللہ بہترین ماحول تشکیل ہو سکے گا۔



کاوش

اس کالم میں بچوں سے تحریریں مطلوب ہیں۔ سائنس وماحولیات کے کسی بھی موضوع پر مضمون، کہانی، ڈرامہ یا نظم لکھیے یا کارٹون بناکر اپنے پاسپورٹ سائز فوٹو اور "کاوش کوپن" کے ہمراہ ہمیں بھیج دیجیے۔ قابل اشاعت تحریر کے ساتھ مصنف کی تصویر بھی شائع کی جائے گی۔ نیز معاوضہ بھی دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مزید خط وکتابت کے لیے اپنا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ہی بھیجیں (ناقابل اشاعت تحریر کو واپس بھیجنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا)۔

اسلام اور تحفظ ماحول

اسعد فیصل فاروقی
XI - E 5 اے ایم یو بوائز
سینئر سیکنڈری اسکول، علی گڑھ۔202002

آج عالمی سطح پر کرۂ ارض کو تباہی سے بچانے کے لیے یعنی کرۂ ارض کے موسمی حالات، اس کے نباتاتی توازن اور اس کی حیواناتی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف ممالک کے عالمی سطح کے 20 ماہرین ماحولیات نے اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔ "ہمارے سامنے اب کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے سوائے اس کے کہ فطرت کی طرف لوٹا جائے۔" ماہرین کا یہ خیال ہے کہ ہماری زمین کو ماحولیاتی توازن کے بگڑنے سے خطرہ لاحق ہو چکا ہے اور اس ماحول کو اور ماحولیاتی توازن کو پھر سے اپنے راستے پر لانا اگر غیر ممکن نہیں تو ایک مشکل کام ضرور ہے۔

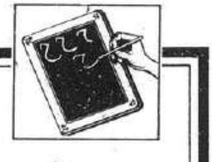
مذہب اسلام نے ماحول کو پاک وصاف بنانے کے لیے اشرف المخلوقات کو بڑی تلقین کی ہے۔ قرآن کریم میں ایسی کتنی ہی آیات ہیں جن میں اشرف المخلوقات کو سب سے افضل بتایا ہے اور اس کو صفائی ستھرائی کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور سواری عطا کی بحر وبر میں اور ہم نے ان کو پاک صاف ستھری چیزوں سے رزق دیا اور بہتوں پر ان کو فضیلت عطا کی جن کو ہم نے پیدا کیا۔" (بنی اسرائیل)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کر دیا تو اس نے اشرف المخلوقات کو کچھ قواعد واصول بتائے جن پر چل کر ایک انسان معظم ومکرم بن سکتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے صرف مخصوص جانوروں کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے وہ بھی مخصوص طریقے سے اللہ کے نام سے ذبح کرنا نہ کہ جھٹکے سے۔ اس طرح نباتات میں درختوں اور ان کے پھلوں کو جائز قرار دیا مگر بلا ضرورت پھل دار درختوں کو کاٹنے اور جلانے سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی اور صفائی کو انسانیت کا ایک اہم جز قرار دیا یعنی معظم ومکرم شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے اندر پاکی اور طہارت بھی ہو۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے رجوع کرنے والوں سے اور پاک صاف رہنے والوں سے۔" (البقرہ)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے ساتھ تہذیب وتمدن معاشرت کا بہت گہرا تعلق ہے۔ آج ہمارے معاشرے کا ماحول کافی حد تک گندا ہو چکا ہے اور لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ اس گندے ماحول سے زمین کو بچانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمارا مذہب اسلام آج سے چودہ سو (1400) سال پہلے ماحول کے تحفظ کے قواعد واصول بتا چکا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
ترجمہ: "اور اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے ان سے کہو زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں۔"



ماحول کو صاف رکھنے کے لیے اسلام نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔اسلام نے طہارت اور نفاست کو پسند کیا ہے۔پاکی و صفائی معاشرے کی ایک اہم بنیادی ضرورت ہے۔اس سے صحت و تندرستی کا مسئلہ جڑا ہوا ہے۔اس کی وجہ سے پورے ماحول پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے راستے اور سائے دار جگہوں پر گندگی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے آنے جانے میں پریشانی نہ ہو اور ماحول گندگی سے پاک و صاف رہے۔

راستے کی پاکی و صفائی کا حکم ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا ان دو کاموں سے بچو جس پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔صحابہؓ نے دریافت کیا کہ لعنت والے وہ دو کام کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا لوگوں کے راستے میں یا ان کے سائے میں پاخانہ کرنا۔

آج لوگوں کے اندر پاکی و صفائی رکھنے کا بہت ذوق و شوق پایا جاتا ہے مگر وہ زیادہ تر بناوٹی اور صرف اپنے آپ اور زیادہ سے زیادہ اپنے گھر کو پاک رکھنے کا ہوتا ہے۔لوگوں کو گھر کے باہر کے ماحول کی کوئی فکر نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اپنے گھر کی گندگی کوڑا کرکٹ گھر سے باہر راستے میں ڈال کر ماحول کو اور آلودہ بنادیتے ہیں۔مندرجہ بالا حدیث پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ نظر آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح کی گندگی کو سختی سی ناپسند فرماتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ راستے پر گندگی کرنے سے ماحول میں آلودگی پھیلتی ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے سایہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر لوگ اٹھتے بیٹھتے ہیں یا سواری کا انتظار کرتے ہیں۔

فرمان نبی ﷺ: الطہور نصف الایمان (مسلم)

ترجمہ: پاکی آدھا ایمان ہے۔

ہماری عبادت نماز بھی ہمیں پاکیزگی اور طہارت کی تعلیم دیتی ہے۔نماز کی شرط یہ بھی ہے کہ جگہ کا پاک ہونا کپڑوں کا پاک ہونا۔جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ صفائی کی وجہ سے ہم مختلف بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔دور جدید میں ہر طرف ماحول کو سدھارنے اور صفائی ستھرائی کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں۔مگر اس پر پوری طرح سے عمل نہیں ہو رہا ہے۔

اسلام کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو اس کی تعلیم دیں جس سے لوگوں کے دلوں میں جو غلط فہمی اسلام کے لیے بیٹھ گئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اسلامی تعلیمات کی طرز پر اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے۔مگر آج مسلمان اسلام کی دی گئی تعلیمات کو بھولتا جارہا ہے۔

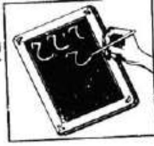
آج جدید دور کے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو اپنائیں جو ہر معاملہ میں صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے اور ماحول میں گندگی کرنے سے منع کرتا ہے۔

قرآن میں ایسی کئی آیتیں ہیں جن میں زمین کی مٹی اور پانی نیز اس کی موجودگی کے نتائج کو ایک اہم جز قرار دیا گیا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب زمین کی مٹی اور پانی ملیں گے تو اس کے نتیجے میں زمین زرخیز ہوگی جو کاشتکاری کے لیے بہت ہی کار آمد ہے۔

سورہ عبس میں زمین اور پانی کا ذکر اللہ تعالیٰ کچھ اس طرح کرتا ہے:

ترجمہ: "انسان ذرا اپنے کھانے پر غور کرے ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا پھر اس سے اگائے غلے اور انگور اور ترتکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغات اور میوہ اور چارہ اس میں متاع زیست ہے تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔"

پیڑ پودے ماحول کی کثافت کو بھی کسی حد تک اپنے اندر جذب کر کے ماحول کو کسی حد تک صاف کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔یہ پیڑ پودے اپنی جڑوں کو زمین کے اندر پھیلا کر اسے اچھی طرح جکڑ لیتے ہیں اور مٹی کی اوپری سطح کو کٹاؤ سے محفوظ رکھتے ہیں اور جب پانی زمین کے اندر مل جاتا ہے تو اس کو اور زرخیز بنادیتا ہے۔اس طرح ہماری زمین زرخیز بنی رہتی ہے اور ہمیں کھانے کے لیے مختلف پھل سبزی اور اناج وغیرہ ملتے ہیں۔جیسا کہ مندرجہ بالا آیت قرآن میں الہ تعالیٰ فرماتا ہے۔موسم کو معتدل بنانے میں یہ پیڑ پودے ایک اہم کرادر ادا کرتے ہیں۔یہ پیڑ پودے کاربن ڈائی آکسائیڈ



ماحول کی اہمیت

عالیہ کوثر
بنت محمد مصلح الدین
فرحت منزل، مدینہ نگر۔ ناندیڑ

کرۂ ارض پر طبعی و حیاتی عوامل مٹی، پانی اور روشنی اور فضائی گیس پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تمام جاندار حیاتی عوامل ہیں جس سے مل کر ماحولیاتی نظام تشکیل ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں۔ زمانہ قدیم میں مٹی، پانی سورج اور ہوا کو اس کی اہمیت کے پیش نظر دیوتا کا درجہ دے کر انسان پوجا کرتا تھا یہی وہ عوامل ہیں جو ماحولیاتی نظام کی بے جان کڑیاں ہو کر بھی جانداروں کو حیات بخشتی ہیں۔ مٹی نہ ہو تو اناج نہ اگے، سورج کی روشنی نہ ہو تو اس کرۂ زمین پر ایک جاندار بھی نہ ہو۔ جاندار اجزاء ماحول نظام کی اہم ترین اکائیاں ہیں۔ اکائیوں نے نباتات کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی پر بھی احسان کیا ہے۔ اس قدرتی ماحول نے ہمیں رہنے کے لیے جگہ، کھانے پینے کے لیے غذائی اشیاء، پانی اور زندہ رہنے کے لیے ہوا کی آکسیجن مہیا کی ہے۔

(CO_2) کو اپنے اندر جذب کر کے (O_2) آکسیجن گیس اور پتیوں کے ذریعے پانی نکالتے ہیں جو ماحول کو معتدل بنا دیتا ہے۔ اس کی گرماہٹ کو ختم کر دیتا ہے۔ مگر آج موجودہ دور میں آبادی کی کثرت شہروں کی وسعت اور گنجان علاقوں کے مسلسل اضافے نے بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہیں جس میں ایک پیڑ پودے کٹنا بھی ہے، جس کی وجہ سے آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے جس کے اثرات ماحول پر بھی مرتب ہو رہے ہیں اور موسم میں تغیر ہو رہا ہے۔ انہی سب وجوہ کی بنا پر ہماری زرخیز زمین بنجر ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا: جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے پھر اس میں کوئی آدمی یا پرندہ یا چوپایا کھاتا ہے تو اس درخت لگانے والے آدمی کو صدقے کا ثواب ہوتا ہے (جامع ترمذی)

دور جدید کی جنگیں ماحول کے لیے ایک بڑی تباہ کن بات ہے۔ جنگیں ماحول کو خراب کرتی ہیں اس کے اندر کثافت پیدا کرتی ہیں اب ذرا عراق اور امریکہ کی جنگ کو ہی لیجئے جس کے تباہ کن اور مضر اثرات آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ وہاں کے ماحول میں کثافت ہونے کی وجہ سے چرند و پرند اور کاشتکاری پر مضر اثرات دیکھے گئے ہیں ابھی حال ہی میں ایران اور عراق کے کچھ حصوں میں تیزابی بارش ہوئی جو خلیجی جنگ کا نتیجہ تھی جس نے وہاں کی زمین کو بنجر بنا دیا ہے۔

جنگ مذہب کے نام پر لڑنا یا کسی بات کی دشمنی بنا کر لڑنا دونوں ماحول کو خراب کرتے ہیں اور ماحول کو تباہ کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: ”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ مذہب کی آڑ میں یا کسی اور غیر ضروری بات کرنا جس میں صلح ہو سکتی ہے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ جنگیں ایک اچھے ماحول کو خراب کر دیتی ہیں اس کو آلودہ بنا دیتی ہیں۔ اگر ہم اسلامی نظریۂ حیات پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام نے دنیا کو ایک معتدل اور متوازن نظام دیا ہے۔ جو معاشرے کے توازن کو بگڑنے نہیں دیتا ہے اور قواعد و اصول سے چلانا چاہتا ہے۔ اس لیے تحفظ ماحول کی کامیابی کے لیے یہ ایک ضروری امر ہے کہ ہم خوف خدا، حقوق و فرائض اور معاملات میں توازن برقرار رکھیں اور اسلامی ضابطہ حیات کو اپنائیں تبھی ہم ایک خوشگوار اور صاف ستھرے ماحول کو قائم رکھ سکتے ہیں ورنہ روز بروز اسی طرح ہمارا ماحول آلودہ ہوتا رہے گا اور ہم ایسے ہی چیختے چلاتے رہیں گے۔

حیاتی عوامل میں نباتات نے ماحول کو صاف ستھرا رکھااسے رونق بخشی درخت اور پودے گر نہ ہوتے ،پانی اپنے بہاؤ کے ساتھ زمین کی زرخیزی کو بہالے جاتا۔ بارش کا ہونا بھی نباتات کی موجودگی پر منحصر ہے۔ یہی نباتات حیوانات کی غذا بھی ہے۔ نباتات نے ماحول نظام کے توازن کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انسان نے اپنی عقل اور فراصت کی بنیاد پر ماحول میں فوقیت حاصل کی ہے۔ وہ ماحولیاتی نظام کا اہم ترین رکن ہے اور اہم کردار بھی۔ تہذیب و تمدن کے آغاز سے ماحول پر قابو پانے کی کوشش میں اس نے کئی مہارتیں حاصل کی اور ماحول کو نئے سانچے میں ڈھالتا چلا گیا۔ زمانہ قدیم میں ماحول کی مناسبت سے مکان اور لباس کی مدد سے موسم کی شدت پر قابو پایا۔ جانوروں کا شکار اور جنگلی درختوں کی خوردنی حصّوں سے غذائی ضروریات کی تکمیل کرتا چلا گیا۔ زمین پر کاشت کاری اور جانوروں کو پالنا شروع کیا۔ بند بنا کر آبپاشی کے ذرائع کو ترقی دے کر سیلاب اور خشک سالی پر جزوی قابو پایا۔ مصنوعی بارش کے تجربات پر ایک حد تک کامیابی حاصل کی وراثیات کے علم کی مدد سے فصلوں کی نئی نسلیں پیدا کیں۔ اس طرح ماحولی نظام پر زراعت کا خوشگوار اثر پڑا سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ مسلسل و ہمہ گیر طریقہ تعلیم کی بدولت سائنسی انکشافات نے ماحول کو نیا باب بخشا علم الخلاء، اجرام فلکی، پہاڑوں کی سینہ شگافی کرنے سے لے کر سمندروں کی تہوں سے ذرائع و وسائل کے موتی نکال رہا ہے۔ گویا آکاش سے پاتال تک انسان کو ماحول میں دسترس حاصل ہو گئی ہے۔ تعلیم نے ماحول کو حیات جاوداں بخشی، مختلف علوم سے انسان روشناس ہوا جہالت کی بھیانک تاریکیوں سے باہر نکلا اس طرح دل و دماغ روشن ہوئے، انداز فکر بدلا، ماحول نے کروٹیں لیں۔ پنڈتوں، صوفیوں و مذہبی رہنماؤں نے ماحول کی مناسبت سے انسان کی فلاح و بہبود کے لیے تعمیری کام انجام دیے تاکہ ایک پائیدار فطری ماحول وجود میں آسکے۔ نظام بادشاہت نے ماحول کو انسان کی ضرورت کے مطابق ڈھالنے کی جدو جہد کی وہیں ماحول میں ظلم وزیادتی نے بڑی تباہی مچائی۔ نتیجتاً طاقتور کمزوروں پر غالب آگئے اسی انسان کی پیہم کوششوں نے غلامی کی زنجیروں کو توڑا اور ہمیں آزاد ماحول نصیب کیا۔ ماحول پر انسان کی دست درازی آبادی کے تیز اضافہ کی وجہ سے روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی غذا کی قلّت و آلودگی آج سب سے خطرناک اور اہم مسائل بن گئے ہیں اس لیے رہائش، کارخانے، و کاشت کاری، کے لیے انسان جنگلات کو تباہ کررہا ہے۔ جنگلات کی تباہی کی وجہ سے ماحول درہم برہم ہورہا ہے۔ جانوروں کے لیے سازگار حالات ختم ہورہے ہیں۔

معدنیات نے بھی ماحولی مسائل پیدا کیے۔ کارخانوں نے دھواں، راکھ، گیس فضا میں بکھیری۔ نقل و حمل کے جدید ذرائع میں ایندھن کے اختراق سے پیدا شدہ مادّے ماحول کو آلودہ کررہے ہیں۔ دمہ، کینسر جیسے مہلک امراض میں اضافہ، فضائی آلودگی کا حاصل ہے۔ صحت انسانی پر شور کے اثرات بہت مضر پائے گئے ہیں۔ ماحول سے آکسیجن کی مقدار کم ہوتی جارہی ہے۔ جوہری دھماکوں کے تجربات صنعتی و تابکاری فضلات نے پانی کو آلودہ کررکھا ہے۔ جراثیم کش دواؤں کے چھڑکاؤ سے غذا آلودہ ہورہی ہے۔ نئے نئے امراض نیز قبل از وقت جسمانی کمزوریاں عام ہوتی جارہی ہیں۔ فحش لٹریچر نے اور سائنس کی نئی نئی ایجادات نے جہاں معلومات و تفریحات کے سامان مہیا کیے ہیں وہیں اخلاق و کردار پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ماحول کو اخلاقی کمزوریوں و برائیوں سے پراگندہ کردیا ہے۔

ایک اچھے سماج و معاشرہ و قوم کی تشکیل کے لیے اچھے ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ماحول ہی ہے جو انسان کو اچھا برا نیک یا بدخوش اخلاق یا بداخلاق بناتا ہے۔ پڑھا لکھا باشعور صحت مند ماحول ہی عظیم کردار کو جنم دیتا ہے۔ ماحول ہی سے انسان پہچانا جاتا ہے۔ انسانی ماحول کی تشکیل میں گھر مدرسہ سماجی ادارے تنظیمیں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ گھر کو اولین درس گاہ کہا جاتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ابتدائی مرحلوں میں انسان کی جسمانی و ذہنی نشوونما ہوتی ہے۔

فرانسیسی مفکر روسو کا کہنا ہے کہ بچّے کی صحیح تربیّت گاہ گھر

(باقی صفحہ 50 پر)

اردو سائنس ماہنامہ

خریداری/ تحفہ فارم

میں "اردو سائنس ماہنامہ" کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں/ اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں/ خریداری کی تجدید کرانا چاہتا ہوں (خریداری نمبر.........) رسالے کا زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر/ چیک/ ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں۔ رسالے کو درج پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک/ رجسٹری ارسال کریں:

نام..

پتہ..

.... پن کوڈ ....

نوٹ:

1. رسالہ رجسٹری ڈاک سے منگوانے کے لیے زر سالانہ =/280 روپے، اور سادہ ڈاک سے =/130 روپے (انفرادی) نیز =/140 روپے (اداراتی و برائے لائبریری) ہے۔

2. آپ کے زر سالانہ روانہ کرنے اور ادارے سے رسالے جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہی یاد دہانی کریں

3. چیک یا ڈرافٹ پر صرف URDU SCIENCE MONTHLY ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر =/15 روپے بطور بنک کمیشن بھیجیں۔

پتہ: 665/18A ذاکر نگر۔ نئی دہلی 110025

شرائط ایجنسی

(یکم جنوری 1997ء سے نافذ)

1۔ کم سے کم دس کاپیوں پر ایجنسی دی جائے گی۔

2۔ رسالے بذریعہ وی۔ پی روانہ کیے جائیں گے۔ کمیشن کی رقم کم کرنے کے بعد ہی وی۔ پی کی رقم مقرر کی جائے گی۔

شرح کمیشن درج ذیل ہے:

10-50	کاپیوں پر 25 فی صد
51-101	کاپیوں پر 30 فی صد
101	سے زائد کاپیوں پر 35 فی صد

4۔ ڈاک خرچ ماہنامہ برداشت کرے گا۔

5۔ بچی ہوئی کاپیاں واپس نہیں لی جائیں گی۔ لہٰذا اپنی فروخت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی آرڈر روانہ کریں۔

6۔ وی۔ پی واپس ہونے کے بعد اگر دوبارہ ارسال کی جائے گی تو خرچہ ایجنٹ کے ذمہ ہوگا۔

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ	=/1800 روپے
نصف صفحہ	=/1200 روپے
چوتھائی صفحہ	=/900 روپے
دوسرا و تیسرا کور	=/2100 روپے
پشت کور	=/2700 روپے

چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک اشتہار مفت حاصل کیجیے۔

● کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں

پتہ برائے مقابلہ جاتی خط و کتابت:

ایڈیٹر سائنس

پوسٹ باکس نمبر 9764

جامعہ نگر نئی دہلی 110025

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ: 665/18 ذاکر نگر، نئی دہلی 110025

سرکولیشن آفس: 266/6 ذاکر نگر، نئی دہلی 110025

کسوٹی کوپن

نام ....

عمر .... کسوٹی نمبر ....

کلاس .... سیکشن ....

اسکول کا نام و پتہ ....

....

....

.... پن کوڈ ....

گھر کا پتہ ....

....

....

.... پن کوڈ ....

کاوش کوپن

نام ....

عمر ....

کلاس .... سیکشن ....

اسکول کا نام و پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

گھر کا پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

تاریخ ....

قلم کار حضرات!

مضامین خوشخط اور صفحہ کے ایک طرف ہی لکھیں۔ تصاویر سفید کاغذ پر یا ٹریسنگ پیپر پر سیاہ اور باریک قلم سے بنائیں۔ اگر تحریر کی رسید کے خواہشمند ہوں تو اپنا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ہمراہ روانہ کریں۔ ناقابل اشاعت تحریروں کو واپس کرنے کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

سوال جواب کوپن

نام ....

عمر .... تعلیم ....

مشغلہ ....

مکمل پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

تاریخ ....

اونر، پرنٹر، پبلشر شاہین نے کلاسیکل پرنٹرس 243 چاوڑی بازار دہلی سے چھپوا کر 665/ 12 ذاکر نگر نئی دہلی 110025 سے شائع کیا

مدیر اعزازی: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

اپیل

آپ بخوبی واقف ہیں کہ ماہنامہ "سائنس" ایک علمی اور اصلاحی تحریک کا نام ہے۔ ہم علم و آگہی کی شمع کو گھر گھر لے جانا چاہتے ہیں تاکہ ناواقفیت، غلط فہمی اور گمراہی کا اندھیرا دور ہو۔ ہمارا ہر فرد ایک مکمل مسلمان ہو جس کا قلب علم سے منوّر، ذہن کشادہ اور حوصلہ بلند ہو۔

تاہم آپ شاید واقف نہ ہوں کہ اس تحریک کو نہ تو کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے سے کوئی مدد حاصل ہے اور نہ ہی کوئی ٹرسٹ یا سرمایہ دار اس کی پُشت پر ہے۔ نیک نیتی، حوصلہ اور اللہ پر بھروسہ ہی ہمارا اثاثہ ہے۔

تمام ہمدردانِ ملّت اور علم دوست حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ہماری مدد کریں اور ثوابِ دارین حاصل کریں۔ ہمیں اس تحریک کو مزید فروغ دینے اور ہر ضرورت مند تک اسے لے جانے کے لیے مالی تعاون کی شدید ضرورت ہے اور ساتھ ہی یقین ہے کہ انشاءاللہ وہ سبھی حضرات جنھیں اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے، ہماری مدد کے واسطے آگے آئیں گے۔

درخواست ہے کہ زرِ تعاون چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں ہی بھیجیں جو کہ اردو سائنس ماہنامہ ـــــ (URDU SCIENCE) کے نام ہو۔

الملتمس

محمد اسلم پرویز

(مدیر اعزازی)

JUNE 1999

RNI Regn. No. 57347/94. Postal Regn. No. DL-11337/99 Licenced to Post Without Pre-Payment at New Delhi P.S.O. New Delhi-110002 **Posted On 1st and 2nd of Every Month** Licence No. U(C)180/99. Annual Subscription: Individual - Rs. 130. Institutional - Rs. 140. Regd. Post - Rs. 280.

Urdu SCIENCE Monthly